لوائح

ایک شاہکار اور مکمل ترین اردو ترجمہ

— مُصنّف —

مولانا نورالدین عبدالرحمن جامیؒ

— مُترجم —

سیّد فیض الحسن فیضی

اسلامک بک فاؤنڈیشن
۲۴۹- این- سمن آباد- لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۳۸

ناشر: ---------- اسلامک بُک فاؤنڈیشن، لاہور

طابع: ---------- مکتبہ جدید پریس، لاہور

تقسیم کار: ---------- المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور

سالِ اشاعت: ---------- ۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۹ء

تعداد: ---------- ایک ہزار۔

کتابت: ---------- حافظ محمد سراج سعیدی

قیمت: ---------- اشاعتِ خاص پندرہ روپے

: ---------- اشاعتِ عام پانچ روپے

بسعی و اہتمام:

الحاج محمد ارشد قریشی

ایم اے (اقتصادیات) ایم اے (علوم اسلامیہ)

اعزازی ڈائریکٹر، اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۴۹ - این سمن آباد - لاہور ۵ فون ۳۱۵۲۴۷

واحد تقسیم کار: "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست

پیش لفظ

مولدم جام و رشحۂ قلمم	جرعۂ جام شیخ الاسلامی ست
لاجرم در جریدۂ اخبار	بدو معنی تخلصم جامی ست

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نویں صدی ہجری کی اسلامی دنیا کے ان علمائے متبحرین میں شمار ہوتے ہیں جنہیں اپنے دور کے علوم متداولہ از قبیل نحو، صرف، منطق، حکمت مشائی، حکمت اشراقی، حکمت طبیعی، حکمت ریاضی، فقہ، اصول فقہ حدیث، علم قرأت، قرآن و تفسیر اور ادب و شعر پر پوری قدرت حاصل تھی اس لحاظ سے جامی کا دور (۸۱۷-۸۹۸ ھ) تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی کا پرشکوہ دور تھا۔
تحصیل علوم سے فارغ ہو کر جامی سلاطین تیموریہ کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان کا پایۂ تخت ہرات اور سمرقند رہا۔ جامی نے خانوادۂ تیمور کے حکمرانوں شاہ رخ میرزا، میرزا بابر، میرزا ابوسعید گورگانی اور سلطان حسین بایقرا کی نگاہوں میں اپنی علمی فضیلت اور کردار کی عظمت کے سبب جو محترم مقام حاصل کیا تھا اسے ہماری علمی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ خاص کر اپنی زندگی کے آخری ۲۴ سال جو انہوں نے سلطان حسین بایقرا ایسے علم دوست بادشاہ کی سرپرستی میں گذارے، جامی کے مظاہرات کمال کا وہ سنہری زمانہ ہے جو علمی دنیا کے لئے آج بھی باعث شرف ہے۔

حضرت جامی ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ ھ کو خراسان کے قصبہ جام میں پیدا

ہوئے۔ والدِ مکرم مولانا احمد بن محمد الدشتی اور والدہ حضرت امام محمد شیبانی کی نواسی تھیں۔ حیاتِ فانی نے ۸۱ سال تک وفا کی اور یوں زندگی کا دورِ جام ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ ھ تک چلا۔ وصال کے وقت یہ اشعار زبان پر تھے ؎

دریغا کہ بے ما بسے روزگار — بروید گل و بشگفد نو بہار
بسے تیر و دیماہ و اُردی بہشت — بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

ہرات کے مدرسہ نظامیہ میں مولانا جامی نے جن فحول علماء سے کسبِ فیض کیا اُن میں مولانا جنید اصُولی، مولانا خواجہ علی سمرقندی اور مولانا شہاب الدین محمد کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہیں۔ یہاں سے فارغ ہوکر قاضی زادہ نے رُوم کے درس میں حاضری دے کر اپنی خداداد ذہانت سے اُستاد کے دل میں گھر کرلیا اور اُستاد نے بھی اپنے اس ہونہار شاگرد سے متأثر ہوکر یہاں تک کہہ دیا کہ "جب سے شہرِ سمرقند آباد ہوا ہے، مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسا ذہین اور طبّاع فاضل زمانے کی آنکھ نے نہیں دیکھا۔" جامی نے علومِ اسلامیہ کے تمام شعبوں پر عبور حاصل کرکے فارسی ادب و شعر میں وہ کمال حاصل کیا کہ حافظِ شیراز کے بعد پھر کوئی دوسرا عالمِ متبحر ایران میں پیدا نہ ہوا۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے شاید اسی لئے کہا تھا ؎

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست — جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

مُلّا جامی کی روحانی تربیت میں جن اہلُ اللہ نے حصّہ لیا وہ اپنے دور کے ممتاز صُوفیا میں سے تھے۔ حضرت مولانا سعدالدین کاشغری (م: ۸۶۰ ھ) وہ پہلے بزرگ ہیں جن کی نگاہِ کیمیا اثر نے جامی ایسے جوہرِ قابل کو ضیائے رُوحانیت سے جگمگا کر رکھ دیا۔ خواجہ عبیداللہ احرار سے روحانی تعلق پیدا ہوا تو اور بھی نکھر

گئے۔ انہی کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہ کر منازلِ سلوک طے کیں اور سلسلۂ نقشبندیہ ہی کے روحانی سرچشمہ سے فیض حاصل کرتے رہے ؎

آنکہ زحریتِ فقر آگاہ ہست
خواجۂ احرار عبیداللہ است

جامی علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف جنہیں مولانا عبدالغفور لاری نے لفظِ جامی کے اعداد کے ہم عدد (ج ا م ی / ۳+۱+۴۰+۱۰) ۵۴ بتایا ہے، اسی سلسلۂ روحانیت کی ترجمان ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے ارادت رکھنے کے باوجود ملّا جامی شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی کے فلسفۂ وحدتُ الوجود سے بہت متأثر نظر آتے ہیں اور نقشبندیہ کے دوسرے مشائخ کے برعکس انہوں نے اسی فلسفے کو اپنایا اور زندگی بھر اسی کی تشریح و توضیح میں مصروف رہے ہیں۔ 'لوامع' اور 'لوائح' سے قطع نظر اگر ان کے ادب و شعر کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بھی جو رنگ سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، وحدتُ الوجود ہی کا رنگ ہے۔

عرفان و تصوّف کے اس ضمن میں جامی کی "لوائح" دوسری تصانیف کے مقابلہ میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ ۳۴ لوائح اور خاتمۂ کتاب پر مشتمل ہے۔ ہر لائحہ توحیدِ ربّانی اور معرفت کے سیر و سلوک سے متعلق کسی نہ کسی موضوع پر بڑے مؤثر اور دلنشیں پیرائے میں نکاتِ معرفت کا ترجمان ہی نہیں فصاحت و بلاغت کی جان بھی ہے اور اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ خَیرُ الکَلامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ۔ طہران یونیورسٹی کے مشہور استاذ آقای علی اصغر حکمت "لوائحِ جامی" کے متعلق لکھتے ہیں :

لوائح : این رسالۂ مختصر یست بنثرِ فارسی مسجّع، مشتمل بر مقالاتی موجز و مختصر، و ہر مقالہ، متضمّن نکتہ ي است بدیع از

نکاتِ عرفانی، کہ آں را "لائحہ" نام دادہ، ہر لائحہ منتہی میشود بیک یا چند رباعی نغز فصیح۔

در مقدمہ آں چنانکہ شأن و عادت و مألوف جامی است بعد از ادائی خطبہ و مناجات تمہیدی آوردہ است و در طیّ یک رباعی آں را بشاہِ ہمدان ہدیہ کردہ است۔

وظاہراً این کتاب را ہدیہ بہ جہانشاہ قرہ قونیلوی ترکمان کردہ باشد کہ پادشاہی عراق و ہمدان و آذربائیجان او را بودہ، ولی چوں در نزد ہراتیان بہ نیک نامی موصوف نہ بودہ، اسم او را نیاوردہ یا بعداً حذف کردہ، و چوں تاریخ تألیف آں قید نشدہ، بنظر نویسندۂ این سطور ظاہراً باید در حدود ۸۷۰ کہ اوان عظمت جہانشاہ است، تألیف شدہ باشد۔

خاتمۂ کتاب کے طور پر مُلّا جامی نے وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنی چند رباعیات میں سمو دیا ہے اور یہی "لوائح" کا کمال ہے جس کی ترجمانی میں میر ببر علی انیس کا یہ مصرع پیش پیش ہے ع

اِک رنگ کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!

اس کے باوجود جامی نے کھلے دل سے یہ اعتراف بھی کر لیا ہے ؎

جامی تن زن سخن طرازی تا چند | افسونگری و فسانہ سازی تا چند
اِظہارِ حقائق بسخن ہست محال | ای سادہ دل این خیال بازی تا چند

"لوائح" زبان و بیان کی شیرینی اور ٹھوس حقائق کی بنا پر فارسی زبان کے ادب عالیہ میں ایک حسین و دلکش نثر پارہ خیال کی جاتی ہے جسے رُباعیات

کی آمیزش نے اور مطبوع بنا دیا ہے۔ ابھی تک اسے کسی نے احسن طریق سے اُردو کے قالب میں نہیں ڈھالا تھا۔ ہم اپنے فاضل دوست سیّد فیضی کے رہینِ منّت ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست کو شرفِ پذیرائی سے نوازتے ہوئے بڑی محنت و کاوش سے اسے اردو کا پیرہن بخشا ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس کے لئے جہاں مترجم کو ہر دو زبانوں کا نبض شناس ہونا چاہیئے وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اُسے اپنے علم و فضل، اپنے تجربے اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات پر بھی اعتماد ہو کیونکہ ترجمہ کرتے وقت جن دشوار گذار مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی ذات پر اعتماد ہونا لازمی ہے۔

سیّد فیضی کی اس کامیاب کوشش کے پسِ پردہ جہاں ان کی علمی فضیلت اور ذہانت و فطانت کارفرما ہے، ان کا شعری و روحانی ذوق بھی اس ترجمے کو عام فہم، دلکش اور سلیس بنانے میں ممدّ و معاون رہا ہے۔ سیّد صاحب کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ ملک کے ممتاز اور نامور شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے اُردو، پنجابی، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے ماہر ہیں۔ اردو، انگریزی، اور فارسی زبانوں میں ان کی کئی ایک تصانیف منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے "جولیس سیزر" کو بھی انہوں نے نظمِ معرّیٰ میں منتقل کیا ہے۔ ایک ادیب اور کہنہ مشق صحافی کی حیثیت سے بھی وہ مقبول ہیں۔ دینی اور روحانی حلقوں سے بھی فطری لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہ سب ایسی خداداد صلاحیتیں ہیں جنہیں بروئے کار لا کر سیّد صاحب نے یہ گلدستۂ معانی پیش کیا ہے۔ ہم اس قابلِ قدر کوشش پر انہیں دلی مبارکباد دیتے ہوئے "لوائح" کے اردو ترجمہ کو منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ یقیناً یہ لوائح کا ایک شاہکار اور مکمل ترین اُردو ترجمہ ہے۔

اور اُردو اَدبِ عالیہ اور صُوفی اَدب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے[۱]۔ تبویب و تہذیب کے عِلاوہ اس ترجمہ کی دوسری مابہ الامتیاز فنّی خصُوصیّت یہ ہے کہ لوائح کے منثور حصے کا منثور ترجمہ اور منظُوم حصے کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہی اس ترجمہ کا نقطۂ کمال و اِمتیاز ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اَصحابِ طریقت اور سالکانِ راہِ معرفت اس کے مطالعہ سے درِ دل کی کشاد کا لُطف پائیں گے اور رُوحانی و وَجدانی کیف کا حظ اٹھائیں گے۔

وَمَا تَوفِیقِی اِلاّ بِاللہ!

محمد ارشد قُریشی
ڈائریکٹر اسلامک بک فاؤنڈیشن

۲۷ رمضان المبارک
۱۳۹۹ھ ــــــ لاہور

---

[۱] قبل ازیں لوائح جامی کا فارسی متن مع انگریزی ترجمہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خُداوندا! مَیں تیری حمد و ثنا کا احصا نہیں کرتا اور کروں بھی تو کیسے؟ ہر تعریف تیری ہی طرف لوٹنے والی ہے۔ تیری ذاتِ پاک میری صفت و ثنا سے بہُت بلند ہے۔ تُو وہی ہے جو تیری تمجید تُجھے ظاہر کرتی ہے۔

بارِالٰہا! زبان قاصر ہے کہ تیرا شُکر ادا کرے اور تیرے لائق حمد و ثنا بیان کرے۔ کائنات کے صحیفوں میں تعریف و تمجید سے جو کچُھ بھی متعلّق ہے، وُہ سب تیری عظمت و کبریائی کا انعکاس ہے۔ نہ تو ہم تیرا شکر ادا کر سکتے ہیں اور نہ ہی تیری صفت و ثنا بیان کرنے کے قابل ہیں۔ تُو اپنی مدح و ثنا کے عَین مُطابق ہے اور تیری حمد و ستائش کے گوہرِ آبدار وہی ہیں جو تُو نے خود پرو دیے ہیں ؎

روشن ہے جہاں کمالِ کبریائی تیرا　　قطرہ ہے وہاں تیرے کرم کا دُنیا
ہم سے ہو ادا کیسے حقِ حمد و ثنا　　تعریف وہی ہے جو تجھے ہے زیبا

"اَنَا اَفصَحُ" کہنے والے نے جہاں اپنی فصاحت کے عَلَم سرنگوں کر دیئے اور پھر بھی تیری حمد و ثنا میں اپنے آپ کو عاجز پایا، وہاں ہر کج لج بیان کی کیا مجال کہ زبان کھولے اور پریشان گو کی ہمّت کہاں کہ مُنہ سے کچھ بولے۔ یہ اَیسا مقام ہے کہ یہاں عجز و قصُور کے اعتراف کا اظہار بھی غلطی ہے اور اُس سرورِ دین و دُنیا سے مقابلے کا تصوُّر بھی ذہن میں لانا حُسنِ ادب کے منافی ہے ؎

مَیں کون ہوں کس گنتی میں ہوں اور کیا ہوں　　سگ ہی تیرے کوُچے کا جو مَیں بن جاؤں
ممکن ہی نہیں تیرے کارواں میں پہنچوں　　کافی ہے اگر بانگِ جرس ہی سُن لوں

خُداوندا! محمد صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر اپنی رحمتیں نازل فرما جو بولے حمد کے

حامل اور مقامِ محمود پر فائز ہیں۔ ان کی اولاد اور ان کے دوستوں پر بھی سلامتی، جنہوں نے جہد و عمل سے کام لے کر حصولِ مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے۔

پاک پروردگار! امورِ دنیوی میں منہمک رہنے سے ہمیں نجات دلا اور اشیاء جیسی بھی ہیں، ان کی حقیقت سے آگاہی عطا فرما!

پالنے والے! ہماری نگاہِ بصیرت سے غفلت کے پردے اُٹھا دے اور جو شئے جیسی بھی ہے اس کی اصلیت دکھا دے۔ نیستی کو بشکلِ ہستی ہم پر آشکار نہ کر اور نہ جمالِ ہستی پر نیستی کا پردہ ڈال۔ مظاہرِ فطرت سے بھری ہوئی اس دنیا کو اپنے حسن و جمال کی تجلیوں کا آئینہ بنا دے۔ ہمارے لئے اسے خود سے بُعد پردہ نہ بنا۔ فطرت کے ان غیر یقینی نقوش کو جہالت و لاعلمی کا باعث نہیں، ہمارے لئے آگہی و بصیرت کا سرمایہ بنا دے۔ تیرے مشاہدۂ جمال سے محرومی و مہجوری کا سبب ہم خود آپ ہیں۔ ہمیں اس حال میں نہ رہنے دے۔ خود فریبی کے طلسم سے ہمیں نجات دلا اور یہ توفیق دے کہ ہم تیری معرفت حاصل کرسکیں۔

پاکیزہ دل، جان کی نکو خواہی دے ۔۔۔ فریادِ شبی، گریہ سحرگاہی دے
پہلے تو مجھے خود سے بنا دے بیخود ۔۔۔ پھر ذات سے اپنی مجھے آگاہی دے
دُنیا کو خدایا مجھ سے بدخو کر دے ۔۔۔ اور مجھ کو بھی دُنیا سے تو یکسو کر دے
دل پھیر کے ہر سمت سے یارب میرا ۔۔۔ خود اپنے ہی عرفان میں یکرو کر دے
للہ علاجِ غمِ حرماں ہو جائے ۔۔۔ مجھ کو نصیب سیرِ عرفاں ہو جائے
کتنے ہی کئے گبر مسلماں تو نے ۔۔۔ کیا ہو؟ اگر اک اور مسلماں ہو جائے
کونین سے بے نیاز کر دے یا رب ۔۔۔ اور فقر سے سرفراز کر دے یا رب
جس راہ میں ہمیں کیا ہے یہی راہ تیری؟ ۔۔۔ مجھ پر بھی عیاں یہ راز کر دے یا رب

تمہید

"لوائح" نامی یہ ایک رسالہ ہے (یہ لائحہ کی جمع اور تجلی اس کا مفہوم ہے)۔
اس میں وہ معارف و مطالب بیان کئے گئے ہیں جو اسرار و معرفت کی تختیوں، ارباب
عرفان کی رُوحوں اور ذوق و وجدان رکھنے والوں کے دلوں پر منعکس ہیں اس کا اسلوب
تحریر موزوں اور اس میں بیان کردہ اشارے نہایت لطیف ہیں۔ اُمّید ہے کہ (قارئین)
رسالۂ ھٰذا کے مصنف کی ذات پر مُعترض نہیں ہوں گے اور خورد ہ گیری و تنقیص کی
بساط پر قدم رکھنے سے احتراز فرمائیں گے کیونکہ اس گفتگو میں مؤلّف کی حیثیت محض
ترجمان کی ہے اور اس کا اصل مقصد دوسروں کی بات آپ تک پہنچا دینا ہے ؎

مَیں ہیچ ہوں، جو ہیچ ہوا، کچھ بھی نہیں — کیا ہیچ میرزوں نے کیا، کچھ بھی نہیں
کہتا ہوں مَیں جو رازِ حقیقت اس میں — حصّہ مرا کہنے کے سوا کچھ بھی نہیں

ہے فقر یہی کہ بے نشاں بن کے رہے — ہو عشق اگر تو بے زباں بن کے رہے
حاصل نہیں جس شخص کو اسرار کا ذوق — بہتر ہے اگر وہ ترجماں بن کے رہے

کچھ موتی پرو دئے مَیں نے داناؤں سے — تا بات بڑوں کی بھی بیاں ہو جائے
یہ ہیچمداں کا تحفہ اے معتمد — اے کاش کہ نذرِ شاہِ ہمداں ہو جائے

لائحہ اوّل

یک دلی و یک روئی

اللہ نے انسان کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کے پہلو میں دو دل ہوں۔ وہ ذاتِ بے ہمتا جس نے تجھے زندگی کی نعمت عطا کی ہے، اُسی نے تیرے پہلو میں ایک دل بھی رکھ دیا ہے تاکہ اُس ذاتِ واحد کی محبّت میں تجھے یک دلی و یک رُوئی حاصل ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور سے تجھے کوئی غرض نہ ہو اور تُو اپنے آپ کو اسی کی عبادت کے لئے وقف کر دے یہ دانشمندی نہیں کہ ایک دل کو لخت لخت کر کے اس کے ہر ٹکڑے کو الگ الگ مقاصد کے حصُول کے لئے آوارہ و سرگرداں چھوڑ دیا جائے ؎

رُخ تیرا ہے قبلہء وفا کی جانب — تن پردہ ہے کیوں ذہن رسا کی جانب
بہتر ہے کہ دل کو نہ بہت روگ لگیں — اک دل ہے، لگا اس کو خدا کی جانب

دُوسرا لائحہ

تفرقہ و جمعیّت

تفرقہ (انتشارِ طبیعت) یہ ہے کہ کئی ایک چیزوں سے دل لگا کر انسان اپنے لئے الجھن اور پراگندگیٔ طبع کا سامان پیدا کرے اور جمعیّت (خاطر جمعی) کا مفہوم ہے کہ سب سے قطع تعلّق کر کے ذاتِ واحد کے مُشاہدے میں گم ہو جائے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مال و متاعِ دنیوی کی جمع آوری ہی خاطر جمعی کا سبب ہے، وہ دائمی انتشار میں مُبتلا رہتے ہیں اور جنہیں یقین ہے کہ دولتِ دنیا کا جمع کرنا مُوجبِ انتشار ہے تو وہ دُنیا کی ہر شئے سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ؎

ہر دردکا کیوں دل ترا پیمانہ ہو
بیکار ہے ہر کسی سے یارانہ ہو
دل سب سے لگنے کا نتیجہ ہے خلل
دل ایک کو دے کے سب سے بیگانہ ہو

نشّہ ہے ترے سر میں پریشانی کا
جو کھیل بھی ہے تیرا، وہ شیطانی کا
عفریت ہے واللہ تو انسان نہیں
احساس تجھے کب ہے ہوس رانی کا

سالک ہے تو بے ہودہ سخن لاحاصل
چل راہِ خدا پر کہ وہی ہے منزل
ہے باعثِ تفرقہ یہ دنیا طلبی
کب دولتِ دنیا سے کھلا غنچۂ دل

مکتب میں رہے گا تا بکے بہرِ کمال
تعلیم سے تو ہو بھی گیا گرچہ نہال
سُن! یادِ خدا حق ہے جو باقی ہے وہ وہم
اللہ سے ڈر، وہم طبیعت سے نکال

حاضر و موجود

حق سُبحانہ، وتعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں جانتا ہے۔ کس قدر گھاٹے اور خسارے کی بات ہے کہ تُو اس کے چہرے سے نظریں پھیر کر کسی اور طرف دیکھنے لگے اور اُس کی رضا پر چلنے کی بجائے کسی اور رستے پر چل پڑے۔

وقتِ سحر آیا وہ مرا دلبرِ جاں ۔۔۔ کہنے لگا دل تجھ سے ہے وقفِ حرماں
صد حیف کہ تجھ پہ ہو مری چشمِ کرم ۔۔۔ اور غیر کی جانب ہو تُو ہر دم نگراں

ہم عشق میں تا عمر رہے گرم سفر ۔۔۔ اور منزل وصل کی طلب تھی رہبر
اک لمحہ جو دیکھ لیتے جلوہ تیرا ۔۔۔ ٹکتی نہ حسینوں پہ کبھی اپنی نظر

چوتھا لاسحہ

فناء و بقاء

خدائے بلند و برتر کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ آنی اور فانی ہے۔ دُنیا کی حقیقت وہم ہے جس کا کوئی وجود نہیں اور ظاہری صورت اس کی محض ایک وہمی وجود سی ہے۔ کل اس کا کوئی وجود نہ تھا، نہ امکانِ وجود اور آج یہ قائم ہے لیکن اسے بقاء نہیں۔ ظاہر ہے کہ کل اس کا کیا انجام ہوگا! تو امیدوں اور آرزوؤں کا غلام کیوں بنا ہوا ہے؟ جھوٹی چمک دمک رکھنے والی ناپائیدار چیزوں پہ اعتماد کرنا دانشمندی نہیں! سب سے بے تعلّق ہو کر اپنے رب کا ہو جا اور سب سے رشتہ توڑ کر اُسی سے رشتہ جوڑ! وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ حادثات کے کانٹوں سے اُس کی اَبدیّت کا چہرہ کبھی مجروح نہیں ہو سکتا ہے

ہر شکلِ حسیں تجھ کو لگی ہے جو بھلی — وہ جورِ فلک سے جلد روپوش ہوئی
دل اُس سے لگا جو زندہ و پائندہ ہے — وہ ذات رہے گی اور ہمیشہ سے رہی

دل جا کے صنم خانوں میں شرمندہ ہے — کیا عشقِ بُتاں سے کوئی دل زندہ ہے
مجھ کو ہے جمالِ جاودانی کی تلاش — اُس حُسن کا طالب ہوں جو پائندہ ہے

جو شے تجھے دیتی نہیں پیغامِ بقاء — آخر وہی لائے گی ترے سر پہ بلا
جن چیزوں سے ہونا ہے جدا بعد الموت — بہتر ہے کہ جیتے جی رہو اُن سے جدا

حاصل ہے تجھے نعمتِ مال و فرزند   یہ سوچ کہ یہ نعمتیں تا کے تا چند
دل جس کا ہے دلبر کے تئیں وہ خوش ہے   دل والوں سے ہے اُس کا دل و جاں پیوند

پانچواں لائحہ

جمال و کمال

قوت و رحمت والی وہ ذات جمالِ مطلق ہے۔ خاکدانِ وجود کے جملہ مراحل سے جو حسن و کمال آشکارا ہے، وہ اُسی کے پرتو جمال و کمال کا نظارہ ہے۔ اُسی کی ضیا تابی سے اہلِ مراتب نقوشِ جمال اور صفاتِ کمال سے آراستہ ہوئے۔ دانا کی دانائی بھی اسی کا اثر اور بینا کی بینائی بھی اُسی کا ثمر ہے۔ وہ پاک ذات ہے۔ اس کی کُل صفات جو کلّیت و کاملیت کی بلندیوں سے اُتر کر جزئیت و تقیّد (انفرادی و اضافی) کی گہرائیوں میں جلوہ گر ہوئیں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ تو جزو سے کل کا راستہ پا سکے اور تقیّد سے مطلق کی طرف متوجہ ہو سکے اور تجھے یہ خیال نہ ہو کہ جزو کل سے جدا ہے اور نہ تو تقیّد پر اتنا غور کرے کہ مطلق سے تیرا رشتہ ہی منقطع ہو جائے ؎

نظارۂ گل کے لیئے میں باغ میں تھا — دیکھا مجھے اُس نے تو یہ شوخی سے کہا
میں اصل ہوں اور گل تو ہیں میری شکلیں — کیوں اصل کو چھوڑ کر سوئے شاخ آیا

بیکار یہ عارض یہ قد رعنائی — کس کام کی یہ زلفوں کی خوش آرائی!
ہر سمت ضیا بار ہے نورِ مطلق — غافل نہ تقید سے تجھے ہوش آئی

چھٹا لائحہ

کیف و جذب

اِنسان اپنے جسم کے سبب جس قدر کثیف واقع ہوا ہے، رُوحانی اعتبار سے وُہ اُتنا ہی لطیف ہے۔ وہ جس چیز کو بھی دیکھ لیتا ہے، اُس کا تاثر قبول کرتا ہے اور جدھر بھی متوجّہ ہوتا ہے وہیں کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لئے داناؤں کا قول ہے کہ جب نفسِ ناطقہ حقائق کے اصلی اور واقعی نقوش سے آراستہ ہو کر حقائق سے مُتعلّق احکامات کا صحیح ادراک کر لیتا ہے تو وہ خود واجبُ الوجود کے پیکر میں ڈھل جاتا ہے۔ اسی طرح عام لوگ اس مادّی شکل کے ساتھ بغایت درجہ مُتّصل رہنے کے سبب اور ان خاکی مجسّموں سے بے حد ربط رکھنے کی وجہ سے کچھ اس طرح کے بن گئے ہیں کہ نہ تو اس کی ذات سے اپنے آپ کو علیحدہ گردانتے ہیں اور نہ ہی ان کے مابین کوئی امتیاز روا ہے۔ مولانائے روم قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں کیا خوب کہا ہے ؎ (منظوم ترجمہ)

بن اگر بننا ہے تجھ کو فکرِ دوست
ماسوائے فکر کیا ہے گوشت پوست
گل تجھے بھائے تو پھر گلشن ہے تُو
سوچ ہے کانٹے کی تو ایندھن ہے تُو

لٰہذا اس بات کی کوشش کر کہ تیری ذات تیری نگاہوں سے چھپی رہے۔ اپنے آپ کو ذاتِ مُطلق کی معرفت میں گم کر دے اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی جستجو میں کھو یارہ کیونکہ عالمِ موجُودات کے مُختلف مدارج سب کے سب اسی کی شانِ جمال کے مظہر ہیں اور کائنات کی ہر شئے اُسی کے کمالات کی آئینہ دار ہے۔ خُوئے بندگی و عبدیت

کا کمال یہ ہونا چاہیئے کہ اُس ذاتِ واجب کو اپنی روح کی گہرائیوں میں اس طرح اُتار لے کہ تجھے اپنے وجود کا احساس ہی باقی نہ رہے۔ یُوں ترا اپنی جانب نگاہ کرنا اُسے دیکھنے کے برابر ہو گا اور اگر تُو اپنی بات کہے گا تو یہ اُس کی بات ہوگی۔ مُتقیّد ایسے عالم میں مطلق کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انا الحق کی صداؤں میں ھوالحق کے نغمے جاگ اُٹھتے ہیں ؎

تُو سوچے اگر گُل کو تو خود گُل بن جا
بُلبُل کا خیال آئے تو بُلبُل بن جا

تُو جزو ہے، حق کُل ہے اگر کچھ دِن اور
کُل بننے کا ہو تجھ کو جنوں کُل بن جا

اپنے لئے مقصُودِ دل و جاں تُو ہے
اور زندگی و موت کا ساماں تُو ہے

پائندہ رہے تو کہ فنا دوست ہوں میں
'مَیں' کا مری مفہوم ہر عنواں تُو ہے

کب اُترے گا تن سے یہ لباسِ ہستی
کب ہوگی جھلک حُسنِ ازل کی مستی

اے کاش یہ دل ہو غرقِ نورِ وحدت
چھایا رہے رُوح پر سحابِ مستی

ساتواں لائحہ

لذّتِ حضور

حضوری کی لذّت یُوں حاصل کی جائے کہ ہر وقت اور ہر حال میں یعنی آتے اور جاتے ہوئے، کھاتے اور سوتے ہوئے، بولتے اور سُنتے ہوئے تجھے حق سے اپنی وابستگی کا پُورا پُورا احساس ہو۔ مختصر یہ کہ حالتِ آرام اور کام کاج کرتے ہوئے بھی تجھے ہشیار رہنا چاہیئے تاکہ اس وابستگی کے معاملہ میں غفلت و لاپرواہی کا شک تک بھی نہ گذر سکے اور اس طرح تجھے اپنے ایک ایک سانس سے بھی حساب لینا پڑے گا کہ کہیں وہ یادِ الٰہی سے خالی تو نہیں ؎

چہرہ ترا دیکھے ہوئے گذرے کئی سال ۔۔۔ پھر بھی تری الفت کو نہیں خوفِ زوال
جس حال میں بھی چاہوں جہاں جاکے رہوں ۔۔۔ آنکھوں میں ہے تو دل میں بھی ہے تیرا خیال

آٹھواں لائحہ

قُربت

جس طرح مذکورہ نسبت کو ہر وقت اور ہر زمانے میں مُسلسل آگے بڑھاتے رہنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی مقدم ہے کہ دنیاوی تعلّقات سے علیحدگی اختیار کرکے اور امکانی صُورتوں سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے، اُس کی لذّت و کیفیت میں بھی اضافہ کیا جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ سخت کوشش اور لگاتار جدّوجہد سے کام لے کر ذہن کو غلط خیالات اور باطل تصوّرات سے پاک کر دیا جائے۔ اِن خیالات سے جس قدر پرہیز اور ان تصوّرات سے جتنا بھی احتراز کیا جائے گا اُسی قدر یہ نسبت (رشتہ، قُربتِ خداوندی) اور زیادہ محکم ہوتی جائے گی۔ لہٰذا اس کوشش کو برُوئے کار لایا جائے کہ طرح طرح کی خام خیالیاں تیرے سینے کی حدود سے باہر خیمہ زن ہوں اور حق سُبحانہٗ تعالیٰ کے ظہُور کی روشنی سے تیرا باطن مُنوّر ہو جائے۔ تجھ کو تیری ذات سے رہائی نصیب ہو اور اپنے خانۂ دل میں اغیار کو بسانے کی زحمت سے بھی تجھے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس طرح نہ تو تیری "انا" تجھ میں باقی رہے گی اور نہ ہی اس "انا" کے نہ ہونے کا احساس تجھے ہوگا۔ بلکہ ذاتِ احد و واحد کے علاوہ کوئی اور ذات تیرے دل میں گھر نہ کر سکے گی ؎

ملتی نہیں وحشت سے درِ دل کی کُشاد　　کب تک میں گناہوں سے رہوں گا برباد
یوں معرفتِ ذات عطا کر مجھکو!　　ہو جاؤں خودی و بیخودی سے آزاد

نواں لائحہ

فنائے فنا

فنا اس بات سے عبارت ہے کہ باطن پر ذاتِ حق کے غلبۂ ظہور کے سبب ہمارے پاس اُس کی ذات کے سوا کوئی شعور باقی نہ رہے ۔ اور فنا کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عالمِ بے شعوری کا شعور تک بھی حاصل نہ ہو ۔ ظاہر ہے کہ فنا کا باقی نہ رہنا بھی اسی تصوّرِ فنا میں مضمر ہے کیونکہ اگر فنا فی الذّات ہو جانے والے کو اپنے فنا ہو جانے کا ذرّہ بھر بھی خیال رہا تو وہ مقامِ فنا پر فائز نہیں کیونکہ فنا کی صفت اور اس صفت کا حامل دونوں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات سے الگ ہیں لہٰذا فنا کا شعور بھی صفتِ شعور کے منافی ہے ؎

جس طرح تو چاہتا ہے مٹ جائے خودی — جو بھی نہ اُگے یوں تیرے خرمن میں کبھی
ہے بال برابر بھی اگر اپنی خبر — پائے گا نہ تو فنا سے جز بے خبری

دسواں لائحہ

توحید

توحید یہ ہے کہ دل وحدت سے ہم آہنگ ہو یعنی ہر لوث سے پاک اور خدائے بلند و برتر کی ذات کے علاوہ ہر تعلق سے بری، چاہے اس میں تلاش و ارادے کا دخل ہو یا علم و معرفت کا! مطلب یہ ہے کہ انسان ہر مقصد و مراد کی تلاش و جستجو چھوڑ دے ہر طرح کی معلومات و معقولات اس کی نگاہِ بصیرت سے ماورا ہو جائیں اور ہر جانب سے وہ اپنی توجہ ہٹا لے تاکہ خداوندِ بزرگ و برتر کے عرفان کے علاوہ کوئی اور شعور و معرفت اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے

توحید کا صوفی کے تئیں ہے یہ نشاں
دل میں نہ کوئی اور ہو جز خالقِ جاں
میں تجھ کو بتا دیتا پرندوں کا مقام
اے کاش سمجھتا تو پرندوں کی زباں

گیارہواں لائحہ

ہَوا و ہوسؔ

جب تک انسان خواہشاتِ نفسانی کا اسیر اور گرفتارِ ہَوا و ہوس رہتا ہے اُس کے لیے ذاتِ حق سے تعلّق پیدا کرنا بہت مشکل ہے لیکن جونہی جذباتِ لطیفہ اُس کے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں، وہ محسُوسات و معقُولات کے چکّر سے آزاد ہو جاتا ہے اس طرح جو کیف اُسے ملتا ہے اور جو لذّت اسے حاصل ہوتی ہے، ہر طرح کی جسمانی راحت اور رُوحانی آسائش اس کے مقابلے میں ہیچ نظر آتی ہے۔ مُجاہدے کی زحمت بھی اُٹھانا نہیں پڑتی اور مشاہدے کی سرخوشی سے دل و دماغ خود ہی سرشار ہو جاتا ہے۔ مزاحمتِ اغیار کی بھی پرواہ نہیں رہتی اور زبانِ حال سے یہ ترانہ لبوں پر لہرا اُٹھتا ہے ؎

مَیں کیا مری ہستی بھی تری یاد سے ہے
اندوہ کی پستی بھی تری یاد سے ہے
ہیں سامنے جس کے ہیچ لذاتِ جہاں!
وہ ذوق وہ مستی بھی تری یاد سے ہے

بارھواں لائحہ

وہبی کشش

طالبِ صادق جب اس وہبی کشش کے آغاز کو محسوس کرنے لگے جو حق تعالیٰ کی یاد سے لذّت آفریں بن جاتی ہے تو اسے چاہیئے کہ اس کیفیّت کو برقرار رکھنے کے لئے پُوری ہمّت و کوشش سے کام لے اور اس کے منافی ہر چیز سے محترز رہے۔ اُسے یہ سمجھنا چاہیئے کہ بالفعل اگر وہ زندگیٔ جاوداں کا بھی مالک بن جائے اور اس نسبت کو برقرار رکھنے کی سعی کرتا رہے پھر اس کا یہ فعل کچھ نہ کرنے کے مترادف ہوگا اور نہ ہی وہ اپنی ذمہ داریوں سے پُوری طرح عُہدہ برآ ہو سکے گا۔

چھیڑا ہے محبّت نے جو نغمہ دل پر   میں خود ہوں محبّت، یہ اسی کا ہے اثر
صدیوں کا چلن ہو کہ زمانے گذریں   احسان محبّت کا نہ اترے گا مگر

تیرہواں لائحہ

حقیقتِ حق

حق سُبحانہ' و تعالیٰ کی حقیقت ہستیٔ محض ہے۔ جسے زوال و انحطاط نہیں تغیّر و تبدیلی سے بے نیاز، وہ کثرت سے ماورا، اور عالمِ ظاہری کے تعیّنات سے بری ہے۔ نہ اس کا پتہ، نہ نشان، نہ علم اس کا احاطہ کر سکے، نہ آنکھوں کو پہچان! چون و چرا سب اسی کی ذات کے صادرات ہیں لیکن اپنی ذات میں وہ ہر چون و چرا سے بلند ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے لیکن اس کا علم دریافت میں نہیں، چشمِ ظاہر بیں میں صلاحیت کہاں کہ اُس کا نظّارۂ جمال کر سکے اور دیدۂ دل میں اتنی بصارت کہاں کہ اس کے شعورِ کمال کو پہنچے ~

وہ تُو کہ ترے صدقے ہوئی جانِ حزیں ‏ ‏ موجُود زمانے میں تُو ہے اور نہیں!
قائم ہے تجھی سے خاکدانِ ہستی ‏ ‏ یوں تیرے وجود کا ہوا سب کو یقیں

بیرنگ بہُت ہے اے دل اپنا دلبر ‏ ‏ بھُولے سے قناعت کبھی رنگوں پہ نہ کر
بیرنگی ہی جب رنگ کی بُنیاد بنی ‏ ‏ کیا رنگ ہو پھر رنگِ خدا سے بہتر

چودھواں لائحہ

معنیٔ وجود

وجُود کا لفظ کبھی اپنے مصدری مطلب اور اعتباری مفہوم کی رُو سے کسی چیز کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے وجود معقُولاتِ ثانیہ میں داخل ہے اور خارج میں اس جیسی اور کوئی شے نہیں۔ یہ محض ایک سخن پرورانہ مُوشگافی ہے جس کا تعلّق صرف خیالی دنیا سے ہی رہتا ہے اور اس حقیقت کو ہمارے حکماء، دانشوروں اور مُحقّقین کی تحقیق نے بھی ثابت کر دیا ہے۔
اسی لفظ سے کبھی وہ ہستیٔ واجب مُراد لی جاتی ہے جو قائم بالذّات ہے اور اسی پر وجُود کی دوسری شکلوں کا انحصار ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اُسکی ہستی کے علاوہ خارج میں اور کوئی وجود نہیں۔ جملہ موجودات اسی کے ظواہر ہیں، اُسی کی ذات سے اُن کا قیام ہے اور بڑے بڑے عُرفائے کامِل نیز اربابِ یقین اس کی گواہی بھی دیتے ہیں لہٰذا لفظِ وجود کا اِطلاق پہلے معنوں میں نہیں، دوسرے معنوں میں خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر ہوتا ہے ؎

ہستی بقیاس وعقلِ اصحابِ قیوُد — ہے عارضِ ایمان وحقائق کی نمُود
لیکن بمکاشفاتِ اربابِ شہُود — اعیان ہیں عارض تو ہے معروض وجُود

پندرھواں لائحہ

صِفات وذات

عقل وخرد کی رُو سے دیکھا جائے تو اللہ کی صفات اللہ کی ذات پاک کے علاوہ ہیں لیکن اگر اصلیت و واقفیت کی عینک سے مُلاحظہ کیا جائے تو صفات عین ذات بھی ہیں ۔ مثلاً صفتِ علم کی وجہ سے وہ ذات عالِم ، قُدرت و اختیار رکھنے کے سبب قادرِ مطلق اور بلحاظِ ارادہ مطلق العنان ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ صفتیں جس طرح اپنے مطالب کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جُداگانہ واقع ہوئی ہیں اسی طرح یہ عین ذات کا حصّہ بھی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات کئی ایک ذاتوں کا مظہر نہیں وہ ہستی واحد ہے اور اس کے اسمار و صفات محض اس کے انداز و تصوّرات کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

ہر نقص سے پاک ہے تیری ذاتِ کمال ۔۔۔ بیکار ترے بارے میں ہے کوئی سوال
از روئے خرد تجھ سے جُدا ہیں صفتیں ! ۔۔۔ لیکن بحقیقت ہیں یہ آئینہ حال

سولہواں لائحہ

اسمائے ذات

ذاتِ واجبُ الوجود بہر طور جملہ اسمار و صفات سے عاری اور تمام نسب و اضافات سے مُبرّا ہے۔ ان اسمار سے اُس کا تعلّق محض عالمِ ظہور پر توجہ کرنے کی غرض سے ہے۔ وہ پہلی تجلّی جب ذات نے اپنی ذات پر خود کو مُنکشف کیا تو علم و نُور اور وجود و شہود کی صفات عمل میں آئیں۔ علم کو جاننے پہچاننے اور خود کو پہچنوانے کا تقاضا لاحق ہوا۔ نُور نے ضرورت محسوس کی کہ آشکار بھی کرے اور خود بھی آشکار ہو۔ وجُود نے چاہا کہ اشیار کو وجُود میں لاکر اپنے وجود کا ثبوت دے اور شہود نے یہ صلاحیّت پیدا کرلی کہ خود مشاہدہ بھی کرتا رہے اور مشہُود بھی بنا رہے۔ اسی طرح ظہوُر کو جو نور کا خاصّہ ہے، باطن و اخفا پر ترجیح حاصل ہے اور باطن ظہوُر کے مقابلے میں فی الذات اوّل و مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہر و باطن کو اَوّل و آخر کے اسمار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یُونہی دوسری اور تیسری تجلّی کے بارے میں یا جب تک ذاتِ باری اپنی تجلّیات کا مظاہرہ کرتی رہے، ان روابط و تعلّقات میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا کیونکہ جیسے جیسے اسمار و نسب بڑھتے جائیں گے ظہوُرِ ذات بلکہ اخفائے ذات بھی اسی قدر کامل ترین ہوتی جائے گی۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے نوُر کی جلوہ گری سے حجابوں میں ہے اور چہرے پر نقاب ڈالے جلوہ آرا بھی نظر آتی ہے۔ ذاتِ مُطلق اور محض اخلاص ہونے کی وجہ سے پردۂ اخفا میں بھی ہے اور مظاہرِ فطرت کے جلووں کی بدولت ہر جگہ موجُود بھی ؎

دلبر سے کہا میں نے کہ لے غنچہ دہن — نخروں سے چھپا نہ چہرے کی پھبن
کہنے لگا ہنس کر کہ حسینوں کے بعکس — رہتا ہوں نقاب میں بھی میں جلوہ فگن

بے پردہ ترے حُسن کا جلوہ دیکھے ہے کون جو یُوں چہرۂ زیبا دیکھے
سُورج سے اُبلتے ہوئے اس چشمے کو ان ظاہری آنکھوں سے کوئی کیا دیکھے

جب روشنی سُورج کی بھڑک جاتی ہے آنکھ اس کی تمازت سے ہی چندھیاتی ہے
لیکن کوئی ابر پارہ جب اس کو ڈھکے پھر روشنی آنکھوں کو پسند آتی ہے

سترھواں لائحہ

اَحدیت و واحِدیت

ذات کا پہلا تعیّن صرف وحدت اور محض امکانِ وجُود سے ہے جو جملہ امکانات پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف عدم و وجُود یا صفات کے تعیُّنات سے بری امکانات ہی شامل نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو تعیُّنات کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان امکانات کو عدم و وجُود یا صفات کے تعیّنات سے اگر بری خیال کر لیا جائے اور انہیں یُوں بری رکھنے والی قابلیّت کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو یہ احدیت کی منزل ہوگی جو بصُورتِ باطن ہوگی اور جسے اَوّلیّت و ازلیّت کا نام دیا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر عدم و وجود یا صفات کو دائرہ تعیُّنات میں جگہ دے دی جائے تو پھر یہ منزل واحدیت ہوگی اور اس لحاظ سے ظہُور، آخریت اور اَبدیّت اس کے لازمی اجزا متصوّر ہوں گے۔ منزلِ واحدیّت کے ان اعتبارات میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ ان میں ذاتِ احد کی صفت جمع کی صُورت اختیار کر لیتی ہے چاہے وہ زمانے میں ان چیزوں کی واقفیّت کی طرف ہی اشارہ کریں جو خالقیت اور رازقیت کے معنوں میں مستعمل ہیں یا ان سے محض صفات ہی کا مثلاً حیات، علم اور ارادے کا اظہار ہو اور یہ ایسی صفات ہیں جو الٰہیت اور ربُوبیّت سے تعلُّق رکھتی ہیں۔

وُہ مختلف صُورتیں جن سے احدیت کا تصوُّر ممکن ہو سکتا ہے، ان اسماء و صفات کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں تو وہ حقائقِ الٰہیّہ بن جاتی ہیں۔ وجُود کے ظواہر کو ان صُورتوں کا لباس دینے سے کثرت کا معرضِ ظہُور میں آنا ضروری نہیں بعض امکانات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ذاتِ واحد کی صفت حیاتِ فانی کے مختلف مراحل سے تعلُّق رکھتی ہے جیسے فاصلے، خواص اور تعیُّنات جو اُمورِ خارجی کو ایک دوسرے سے مُمیّز کرتے ہیں۔ وہ

صُورتیں جن کے ذریعے ایک حقیقی ذاتِ واحد کا تصوّر ذہن میں لایا جا سکتا ہے، ان امکانات کا پیرہن بدل کر حقائقِ کونیہ بن جاتی ہیں۔ چنانچہ ذات کے خارجی پہلو کو ان صورتوں کا لباس دینے سے لامحالہ طور پر کثرت لازم آتی ہے۔ ان حقائقِ کونیہ میں بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں کہ ذاتِ باری جب واحدیت جمع کی منزل پر ان سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور اس کے آثار و شئون اس میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو انہی صورتوں میں ایسی جلوہ گاہیں بننے کا امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے، جو جملہ اسمائے الٰہی کی مظہر ہوتی ہیں ان میں وہ امکانات شامل نہیں ہوتے جو قوتِ ظہور کے اختلاف کے مطابق زبردست ہوں کہ کمزور، غالب ہوں کہ مغلوب، خود عین ذات کا جوہر ہیں۔ انہی کو جہانِ انسانیت میں مکمّل انسان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ انبیاء اور اولیائ کے القابات سے نوازے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں جن میں مُتذکرہ اختلاف قوتِ ظہور کے مُطابق جُملہ اسمائے الٰہی کی نہیں صرف چند ایک اسماء کا مظہر بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس طرح کے لوگ عامتہ الناس کہلاتے ہیں۔

اسی احدیّتِ کثرت کی رُو سے اگر اُس ذاتِ حقیقی کے جلال و جبروت پر غور کیا جائے جو اس کے جملہ امکاناتِ الٰہیہ اور کونیہ کی جامع ہیں تو وہ ہمیشہ کے لئے طبعی و خلقی طور پر ان حقائق میں جلوہ گر نظر آئیگی اور اسی کے جلوے ان میں عکس انداز ہوں گے۔ یہ حقائق اسی مکمل واحدیت ہی کے اجزا ہیں چاہے ان کا وجُود عالمِ ارواح میں ہو یا عالمِ تصوّرات میں، ان کا رشتہ دنیائے محسُوسات سے ہو کہ دنیائے ظواہرات سے، موجُودہ زندگی سے ان کا تعلّق ہو یا اُخروی زندگی سے، اس تمام عمل کا نتیجہ اسمائے الٰہی کے کمالِ ظہُور کو ثابت کرنا ہے جو جلا و استجلا کی معراج ہے۔ جلا سے مُراد اُن کے خارجی مظاہر ہیں جو ان کے اپنے اعتبارات کی رُو سے صُورت پذیر ہوتے رہتے ہیں اور استجلا کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے انہی اِعتبارات کے مطابق ذات خود اپنے مشاہدۂ جمال میں کھوئی رہے۔ جلا ایک دیدنی اور فہمیدنی ظہُور کا عالم اور ایک وکالت و علامت ہے۔ جس طرح کُل اپنے

اجزا ر سے ہی مل کر بنتا ہے اور ترکیب پاتا ہے اس کے برعکس جوہرِ ذات کا کمال یہ ہے کہ اپنی ذات کے سوا سب سے بے غرض ہو کر خود کو اپنے لئے اپنے کو ذاتِ حقیقی کے مشاہدے میں گم کرے۔ اسے علمی اور غیبی ظہور کہا جاتا ہے۔

اِستغنائے مُطلق ایسی صفت ہے جو کمالِ ذات ہی کی مظہر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عام اور کُلّی طریقے سے ذاتِ واحد کے سب اِعتبارات اور احوال و کوائف جملہ احکامات و لوازمات کے ساتھ اپنے تمام مظاہر میں چاہے ان کا تعلّق ماضی حال یا مُستقبل سے ہو اور وہ حقائقِ الٰہیہ و کونیہ ہیں خواہ کسی طور بھی ظہور میں آچکے ہوں، اِس طرح ذاتِ واحد کے خیالِ باطن میں جاری و ساری نظر آئیں کہ ان تمام کا مرکز و محور وہی ذاتِ اَحدیّت ہو۔ اس نقطۂ نظر سے وہ ذاتِ پاک دیگر موجودات سے یکسر بے نیاز ہے جیسے کہ اللہ ربُّ العزّت جلّ جلالہٗ کا ارشادِ گرامی ہے :

اِنَّ اللہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ﴿ (القرآن : ۲۹ : ۵)

دامن ہے غنائے عشق کا مَیل سے پاک
ہم ٹھہرے وجود سے فقط مُشتِ خاک
تُو خود ہی تماشا ہے تماشائی بھی
ہم ہیں کہ نہیں ہیں تجھے اس سے کیا باک

جو شان و صفت تیری بیاں ہوتی ہے
پہلے ہی سے وہ تجھ پہ عیاں ہوتی ہے
موجود کو حاجت تری تُو لاحاجت
یہ شانِ غنا اور کہاں ہوتی ہے

ہر نیک سے ہر بد سے تری ذات بلند
یکتا ہے عدد سے نہیں تیرا پیوند
تُو آپ ہی سرچشمہ ہے ھر خوبی کا
کیوں ذات سے باہر کا بنے حاجتمند

اٹھارہواں لائحہ

جوہر و عرض

اگر ان تشخصات و تعینات کو جو حیوان کے ذیل میں آتے ہیں اور جو بنی نوعِ انسان میں بھی شامل ہیں علیحدہ کر لیا جائے تو ہر طرح کے افراد پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر جنس کے خواص کو الگ کر دینے سے جو ان کے درمیان وجہ امتیاز واقع ہوئے ہیں، تمام جنسیں حیوان کے تحت آجاتی ہیں اور اگر حیوانی جنس کی خصوصیات کو جسم نامی میں محسوب ہونے والے اوصاف بھی شامل کر کے خارج کر دیا جائے تو پھر یہ تمام جنسیں جسمِ نامی کے تحت یکجا ہو جاتی ہیں۔ بعینہٖ جسمِ نامی کے خصائص اور بنی نوعِ انسان کے ضمن جسم کے تحت آنے والی تمام خصوصیات کو منفی کر دیا جائے تو یہ سب جسمانی حقیقت میں جمع ہو جاتی ہیں۔ مزید براں جب جسم کی اور جوہرِ اصلی کے تحت آنے والی صفات جیسے عقول و نفوس کو الگ کر لیا جائے تو پھر یہ حقیقت جوہر بن جائے گی۔ جوہر اور عرض کے درمیان وجہِ امتیاز دُور کر دی جائے تو یہ امکان کی شکل اختیار کر لے گا اور جب ممکن و واجب کے درمیان ما بہ الامتیاز ہٹا دیا جائے گا تو یہ دونوں موجودِ مطلق کے تحت آجائیں گے۔ یہی وجود کی اصل حقیقت ہے جو اپنی ذات سے موجود ہے اور اپنی ذات کے لئے کسی دُوسرے وجود کی مدد سے بے نیاز ہے۔ اسی لئے وجوب اُس کی ظاہری صفت اور امکان باطنی صفت کا نام ہے۔ یعنی اعیانِ ثابتہ ہیں اور خود اپنی ذات کے لئے مختلف صفات کے آئینوں میں خود اُسی کی جلوہ گری ہے۔

(اَلْاَعْیَانُ الثَّابِتَۃُ الْحَاصِلَۃُ بِتَجَلِّیَۃٍ عَلٰی نَفْسِہٖ مُتَلَبِّساً بِشُئُوْنِہٖ)

یہ تمام امتیازات چاہے فصول ہوں یا خواص، ان کا تعلق تعیّن سے ہو یا تشخّص سے، سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں جو اس ذاتِ حقیقی کی وحدت کے آئینہ دار ہیں۔ پہلے یہ صفات

اعیانِ ثابتہ کی صورت میں علمِ الٰہی بن کر ظاہر ہوئیں پھر عالمِ محسوس میں جب یہ وجودِ خارج کے خصائص و کوائف کا لباس بدل کر آمادۂ نمود ہوئیں اور باطنی وجود کو منعکس کرنے والا آئینہ بن گئیں تو ان صفتوں کو اعیانِ خارجہ کی شکل حاصل ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالمِ ظاہر میں ایک ذاتِ حقیقی کے سوا کچھ نہیں جو اپنی صفات کے اعتبار سے کثرت و جہات میں جلوہ گر نظر آتی ہے اور اس کے مقابل ان کی کوئی حقیقت نہیں جو مراتب کے تنگ جال میں گھرے ہوتے ہیں اور جن کے تصوّراتِ ظاہری صفات و نتائج تک محدود ہیں ؎

مجموعۂ کون کو مثالِ طلبا، ہر چند سَبق سبق شب و روز پڑھا!
لیکن نظر آیا نہ کہیں ہم نے سُنا کچھ اس میں بجز ستائشِ ذاتِ خدا

کب تک یہ حدیث اَبعاد وجہات! تا کے سخنِ معدن و حیوان و نبات
حق ذات تو واحد ہے نہیں اس کی نظیر کثرت ہے فقط نتیجۂ شان و صفات

انیسواں لائحہ

صفاتِ موصوف

مظاہراتِ عالَم کی کثرت کو ایک ذاتِ حقیقی کی وحدت پر منطبق کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حیثیت کسی کُل کے اجزاء کی سی ہے یا وہ قیدِ زمان و مکان میں آجانے والے ظروف واقع ہوئے ہیں۔ اصل میں یہ تو موصوف کی اپنی صفتیں ہیں اور انہیں محرکات کے عمل سے پیدا ہونے والے نتائج کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ عددِ مکسور کو خواہ نصف، تہائی، چوتھائی اور پانچویں حصّے سے لے کر کسی حدِّ کسر تک بڑھاتے چلے جائیں، اُس کی اصل قوت اکائی کی وجہ سے ہی قائم رہتی ہے جو خود اس کے اندر نہاں ہوتی ہے اور صرف اسی صُورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ اکائی کا صحیح عدد عملی طور پر اُسے نصف، تہائی، چوتھائی اور پانچواں حصّہ بنا کر رکھ دے۔ اس سے یہ معلُوم ہوا کہ جب کوئی یہ کہے کہ حق تعالٰی کی ذات جملہ موجودات پر مُحیط ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اسباب میں نتائج کی شمولیت لازمی ہے، اسی طرح موجُوداتِ عالَم خود اُس کی ذات میں شامل رہتے ہیں۔ انہیں نہ تو کُل کے اجزا ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور نہ وہ کسی ظرف کے مظروف ہوتے ہیں۔ خداوند تعالٰی ہر اُس شے سے بلند و برتر ہے جو اُس کی ذاتِ اقدس تک رسائی نہیں۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا لَا یَلِیقُ بِجَنَابِ قُدْسِہٖ ؎

ہیں عطف مظاہراتِ حق ہے معطُوف سب صفتیں اس کی ہیں وہی ہے موصُوف
اس بات کو یاد رکھ جہاں بھی ہے خدا واں کل ہے نہ جزو ہے نہ ظرف و مظروف

بیسواں لائحہ

مظاہر و اعتبارات

وجُودِ ظاہر یا عدمِ وجُود کا لباس اختیار کر لینے کے سبب مظاہر و اعتبارات کے صاف صاف نظر آنے یا پوشیدہ رہنے سے وجُود کی اپنی حقیقت اور اس کی بُنیادی صفتوں میں تو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، البتہ نسبتیں اور علاقہ مندیاں کچھ بدل جاتی ہیں اور ان سے جوہرِ ذات میں تغیّر پیدا نہیں ہوتا۔ (مثال کے طور پر) اگر عمرو زید کے دائیں پہلو سے اُٹھ کر اُس کے بائیں پہلو بیٹھ جائے تو عمرو سے زید کی نسبت نشست کے اعتبار سے تو بدل جائے گی لیکن اس کا اپنا وجُود اپنی جبلّی خاصیّتوں کے ساتھ برقرار رہے گا۔ اسی طرح وہ ذاتِ حقیقی جو تمام مظاہرات کی تہہ میں کارفرما ہے نہ تو صفاتِ حسنہ کا پیرہن بدل کر اپنے کمالات میں اضافہ کرتی ہے اور نہ اعمالِ شنیعہ سے اُسے کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ سُورج کی شعاعیں ہر پاک و ناپاک جگہ پر پڑتی ہیں اور اس کے پھیلتے بڑھتے اُجالوں میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مُشک کی خوشبو ہو کہ پھول کی رنگینی، کوئی شئے اسے متاثر نہیں کرتی۔ نہ کانٹے اس کا دامن کھینچتے ہیں اور نہ سنگین راہیں مزاحم ہوتی ہیں ؎

چمکاتی ہے جب زمین کو سُورج کی کرن — ہو جاتا ہے ہر مقام روشن روشن
یاں فرق نہیں پاکی و ناپاکی کا — ہر شئے پہ ضیائیں اس کی ہیں سایہ فگن

اکیسواں لائحہ

ذاتِ تقیدّات

ذاتِ مُطلق اَپنے اضافی تقیدّات کے بغیر اور اضافی تقیدات ذاتِ مطلق کی عدم موجودگی میں قائم نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہ تقیدات ہیں جو ذاتِ مطلق کے مُحتاج رہتے ہیں اور ذاتِ مطلق کو ان کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔ اس طرح ان میں ربطِ باہمی ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن احتیاج ایک ہی جانب سے ہوتی ہے جیسے ہاتھ کی حرکت اور چابی کی حرکت جو ہاتھ میں ہوتی ہے ؎

حاصل ہے کسے تیرے حرم میں کوئی جا — دنیا ترے دم سے ہے تُو خود نا پیدا
ہم تجھ سے علیحدہ نہیں ہیں لیکن — حاجت تری ہم کو ہے تجھے کیا پردا

اسی طرح ذاتِ مُطلق سے کوئی نہ کوئی نسبت وابستہ رہتی ہے اور یہ کوئی مخصوص نسبت نہیں۔ اس کی جگہ کوئی اور نسبت بھی لے سکتی ہے لیکن جہاں تک ذاتِ مطلق کا تعلق اس کا کوئی بدل نہیں۔ اس لئے جُملہ نسبتوں کا قبلۂ احتیاج اللہ جلّ شانہٗ کی ذاتِ اقدس کے سوا اور کوئی نہیں ؎

قُربت ملے تیری بے عِلل ناممکن — مِل جائے تو بے فیضِ ازل، ناممکن!
ممکن ہے کہ ہر شخص کا مِل جائے بدل — بے مثل ہے تو تیرا بدل ناممکن!

جو ہر ہے تری ذات کا نہ کوئی عرض — اور فضل و کرم تیرا نہ ممنونِ غرض
تو اُس کا بدل ہے کہ جو موجود نہیں — موجود جو تجھ سے نہ ہو کیا اس کا عوض

مُطلق کا تقیّد سے بے نیاز رہنا اُس کے قائم بالذّات ہونے کی وجہ سے ہے۔ دیگر معاملات میں جب تک نسبتوں کا سہارا نہ لیا جائے، الوُہیّت کے ناموں کا ظہوُر اور شانِ کبریائی کے مظاہر کا رُو نما ہونا محال ہو جاتا ہے ؎

دل ہے کہ ترے عشق میں دیوانہ ہے ۔۔۔ مقصد یہ طلب کا ہے تجھے پانا ہے
دل ہوتا نہ آئینہ محبّت کا اگر ۔۔۔ پھر کون یہ کہتا تجھے پہچانا ہے

یہی نہیں! صرف ذاتِ حق ہی کو زیبا ہے کہ وہ مُحب بھی ہے اور محبُوب بھی، طالب بھی ہے اور مطلُوب بھی۔ محبُوب و مطلوب تو اس لئے ہے کہ وہ ہمہ اوست ہے اور محب و طالب اس لئے ہے کہ ہمہ از وست ہے ؎

رغبت نہ ہو کیوں تجھ سے کہ مرغوب بھی تو ۔۔۔ مسجد کا بھی تُو، دیر کا محبوُب بھی تو!
ہے طالب و مطلوب کا رشتہ بھی عیاں ۔۔۔ طالب بھی تری ذات ہے مطلوب بھی تو

بائیسواں لائحہ

وجود و اعتبارات وجود

کسی شے کے ہونے کا یقین یا تو اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُس شے سے ظاہر ہونے والی صفات کی نسبت سے اُس کی ماہیت کو علمی دُنیا میں (بذریعۂ علم) تسلیم کرلیا جائے یا وہ شے اپنے وجود کو صورِ علمیہ میں اپنی جملہ صفات سے ازخود ظاہر کردے۔ اس کے نتیجے میں ہر موجود شے یا تو شانِ کبریائی کا ایسا مظہر بن کر نظر آئے گی جس کی ظاہریت پر خود اُس کی اپنی مخصوص صفتوں کا رنگ چڑھا ہوا ہو یا اس کا وجود خود اپنے رنگوں میں جلوہ گر ہو کر رہے گا۔

شے کی اصل ماہیت کا جہاں تک تعلّق ہے تو وہ ہمیشہ برقرار رہتی ہے خواہ وہ باطنِ وجود میں مضمر ہو لیکن اُس کے آثار تو ظاہرِ وجود پر مُترتّب ہو کر رہیں گے۔ یہ اس لئے کہ باطنِ وجود سے صورِ علمیہ کے زوال کا خدشہ لاحق نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں جہل لازم آئے گا اور اللہ کی ذات ان باتوں سے بہت بلند و برتر ہے

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔

ہم کیا ہیں وجود و اعتباراتِ وجود! | یا وہم کی صورت ہیں خیالاتِ وجود
ہر چند کہ ہیں عدم کی تاریکی میں | عکس اپنا ہے آئینۂ ذاتِ وجود

لهذا ہر شے حقیقت و واقعیت کے لحاظ سے یا تو متعیّن وجود رکھتی ہے یا کسی شکل میں مظہرِ وجود واقع ہوئی ہے اور مظہرِ وجود ہونا بھی جلوہ گریٔ وجود کی ایک صفت ہے حالانکہ نظریاتی اعتبار سے وہ صفت کی جانے والی شئے سے مختلف ہے لیکن حقیقت میں اُسی کی شباہت بھی ہے اور یُوں مفہوم میں فرق ہونے کے باوصف اس

• شباہت کا وجود پر درست اطلاق ہوتا ہے ؎

ہمسایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست   ہو دلق گدا کہ اطلسِ شہ ہمہ اوست
اسراف کی محفل ہو کہ گنج قاروں   باللہ ہمہ اوست ثمّ باللہ ہمہ اوست

تئیسواں لائحہ

الوہیت و ربوبیت

جملہ موجودات کی تہ میں جو وجود کارفرما ہے اگرچہ معقول و محسوس کی دُنیا میں ہر شئے سے اُس کا ربط و ضبط ہے لیکن اس رابطے کے مراتب بھی مختلف واقع ہوتے ہیں (جیسے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے)۔ چنانچہ جس طرح کا مرتبہ اور حیثیت ہوگی وجود کے اسماء اُس کی صفات اور جہات بھی اُسی کی مطابقت میں ہوں گے اور ان کا اطلاق بھی اُسی خاص مرتبے اور حیثیت پر ہی ہو سکے گا کسی دُوسری حیثیت اور مرتبے پر نہیں ہوگا جیسے کہ الوہیت و ربوبیت کے اسماء کا اطلاق عبودیت و خلقیت کے مراتب پر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مرتبۂ الوہیت کے اسماء مثلاً اللہ و رحمٰن وغیرہ کا مخلوق شے پر اطلاق کفر و زندقہ سے تعبیر کیا جائے گا اسی طرح مخلوق اشیاء پر عائد ہونے والے اسماء کا ذاتِ خالق کے لئے استعمال کرنا سخت بے دانشی اور مغالطے کا موجب ٹھہرے گا ؎

ہے وہم ترا صاحبِ تحقیق ہے تو　　نسبت ہے تجھے صدق سے صدّیق ہے تو
ہر ایک وجود اپنی صفت رکھتا ہے　　یہ بھی نہیں معلوم تو زندیق ہے تو

چوبیسواں لائحہ

عینِ حقیقت یا ہستیٔ مطلق

ذاتِ حقیقی صرف ایک ہے جو موجُود ہے اور وہ عینِ حقیقت بھی ہے اور ہستیٔ مُطلق بھی لیکن اس کی حیثیتیں مُختلف ہیں۔ پہلی یہ کہ نہ تو اُسے قیدِ تعیُّن میں لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی شئے میں منحصر ہو سکتی ہے۔ رشتہ و پیوند سے وہ ہر طرح آزاد ہے اس اعتبار سے وہ حمد و ثنا کی تمام صِفتوں سے اعلٰی و ارفع اور الفاظ و معانی کی آمیزشوں سے بلند و بالا ہے اُس کی صفتِ جلال بیان کرنے کا نقل و روایت کو یارا نہیں اور عقل کو اُس کی غایتِ کمال تک پہنچنے کا اشارا نہیں۔ نہ اربابِ کشف پر اُس کی معرفت مُنکشف ہوتی ہے اور نہ اصحابِ علم کو اس کی ذات کا پتہ چلتا ہے۔ اُس کو پانے کی علامت یہ ہے کہ انسان خود بے نشان ہو جائے اور اُس کا اصل عرفان یہی ہے کہ حیرت و استعجاب میں کھو جائے ؎

سب ہیچ ہیں تیرے لئے پیدا کہ نہاں
کچھ اصل نہیں ان کی یقیں ہو کہ گماں
عرفان تیری ذات کا ناممکن ہے
تیری کوئی منزل ہے نہ کچھ نام و نشاں

ہر چند کہ عارف ترا دیوانہ ہے
پھر بھی حرمِ قدس سے بیگانہ ہے
کوشش میں ہیں اہلِ کشف و اربابِ شہود
ہے کون کہ جس نے تجھے پہچانا ہے

یہ عشق کہ اپنا جُزوِ لاینفک ہے
اے کاش سمجھتے عقل سے مدرک ہے
ہوتی جو کبھی صُبحِ یقیں اس سے طلوع
مٹ جاتا وہ آخر جو دلوں میں شک ہے

دُوسری حیثیت یہ ہے کہ ذاتِ مطلق ضمنی علامت کے طور پر اس طرح ظہور میں آتے کہ اس میں جُملہ فعّال، لازم اور واجب مظاہرات کے ساتھ جامد، عارضی اور دنیاوی مظاہرات بھی پائے جائیں۔ اس حیثیت کو تعیُّنِ اول (عقلِ کُل) یا ظہورِ اوّل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہیں سے حقیقتِ وجُود کا پہلا اظہار ہوتا ہے اور اس کی اُوپر لاتعیّن کی حیثیت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

تیسری حیثیت اَحدیت (نفعِ کل) کی ہے۔ اس میں جُملہ فعّال اور مؤثر مظاہرات شامل ہیں اور یہ الوُہیّت کی شان ہے۔

چوتھی حیثیت شانِ الوہیت کی تفصیل سے عبارت ہے۔ اُس کا تعلُّق اسمار اور اُن کے مظاہر کے مقامات سے ہے اور یہ دونوں مؤخرالذکر حیثیتیں ظاہرِ وجود کے حوالے سے ہیں کہ وجُوب کا ہونا اس کا ضروری وصف ہے۔

پانچویں حیثیت احدیت کی یہ ہے کہ اسی میں وہ تمام جامد مظاہرات شامل ہوتے ہیں جن کا وصف یہ ہے کہ وہ تاثرات جو انفعالی ہوں اُنہیں قبول کرتے رہیں، یہ کونیہ امکانیہ کی حیثیت کہلاتی ہے۔

چھٹی حیثیت کونیہ امکانیہ کی حیثیت کا تفصیلی بیان ہے۔ یہ علم کی حیثیت ہے اور یہ دونوں حیثیتیں ظاہرِ علم کے اعتبار سے قائم ہیں کیونکہ امکان بھی صفات لازمہ میں سے ہے اور یہ حقائق واعیانِ ممکنات کی صورتوں میں اپنی ہی ذات پر خود اس کی اپنی ایک تجلّی ہے لہٰذا حقیقت میں وجُود صرف ایک ہے جو ان تمام حیثیتوں اور مترتب ہونے والی حقیقتوں میں جاری و ساری رہتا ہے اور وہ ذات یعنی وجُودِ باری ان حیثیتوں اور حقیقتوں میں خود حیثیت و حقیقت کا رُوپ دھار لیتی ہے تا اس طرح ذات واجبُ الوجُود کی یہ جملہ حیثیتیں اور حقیقتیں گویا کہ اسی کی ذات کا مظہر بن جاتی ہیں۔ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ ۔

ہستی کا ہر اک شے میں ہے کیوں نور و ظہور　　اتنا بھی تو حاصل نہ ہوا تجھ کو شعُور

مے سے بھرے ساغر میں حبابوں ہی کو دیکھ　　کس طرح سے رہتے ہیں وہ مے سے معمور

ہر شے میں رَوشن ہوئی ہستی کی ضیا　　اِس راز کو کوئی بھی مگر پا نہ سکا!
دنیا کو کبھی حق سے الگ مت جانو　　حق ہی میں جو دنیا ہے تو حق ہے دُنیا

پچیسواں لائحہ

حقائق و مظاہرات

حقائق کی اصل حقیقت کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جملہ اشیائے کونیہ کی حقیقت سے عبارت ہے اور وہ اپنی ذات میں اس طرح واحد ہے کہ کثرت وہاں بار نہیں پا سکتی لیکن اپنی بے شمار تجلیوں اور لاتعداد مظاہرات کے طفیل وہ اپنی نت نئی حیثیتوں میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے جنہیں کبھی تو (حقائق جوہریہ متبوعہ) یعنی موجودِ حقیقی کی مستقل ذات سے اور کبھی (حقائق عرضیہ تابعہ) یعنی موجودِ حقیقی کے نسبتی اور ذیلی وجود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ذاتِ واحد اُن جواہر و اعراض کی بے شمار صفتوں کے باعث کثرت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے لیکن فی الحقیقت وہ ایک ہے اور اس پر افراط و کثرت کا اطلاق نہیں ہو سکتا ۔

جبتک نہ رہائی این و آں سے ہوگی — دوئی کی نہ برٹ دور زباں سے ہوگی

یہ جان لو اس عالمِ ہستی کی نمود — اک ذات کے جوہرِ عیاں سے ہوگی

اس جوہرِ یکتا کو اگر مطلق مان لیا جائے اور اسے ہر طرح کے مظاہرات و تقیدات سے آزاد سمجھ لیا جائے تو یہی حق ہے اور اگر اسے اُس کثرت و افراط کے اعتبار سے دیکھا جائے جس کے سبب اُس کی ذات مختلف مظاہر میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے تو پھر وہ خلقت اور کائنات ہے اس لحاظ سے خلقت یعنی عالم ذاتِ حق کا ظاہری پرتو ہے اور ذاتِ حق عالم یعنی کائنات میں مضمر غیر مرئی حقیقت ہے۔ کائنات معرضِ ظہور میں آنے سے پہلے عینِ حق کی صورت میں جلوہ گر تھی اور جب حق ظاہر ہوا تو اس نے عینِ کائنات کی شکل

اختیار کرلی اور امرِ واقعہ بھی یہی ہے کہ حقیقت محض ایک ہی ہے اس کا ظاہر و باطن اور اول و آخر صرف اس کے نسب و اعتبارات کی وجہ سے قائم ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ط

حق شکلِ بتاں رہزنِ عشّاق بھی ہے
یہ رازِ دروں ظاہر آفاق بھی ہے
وہ شے کہ سمجھتے ہیں جسے ہم دنیا
واللہ اسی پہ حق کا اطلاق بھی ہے

جس رنگ میں حق چاہے رہے جلوہ مثال
دنیا کا وجود اُس کا ہے اندازِ کمال
دنیا کا وجود اگر فنا بھی ہو جائے
تفصیل کا پھر حق ہی بنے گا اجمال

چھبیسواں لائحہ

کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡن

شیخ محی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے (فصوص الحکم میں) فصّ شعیبی کے ضمن میں لکھا ہے کہ دنیا اعراضِ مجتمعہ یعنی اتفاقات سے عبارت ہے جن کا تعلّق ایک ذاتِ واحد سے ہے اور یہ ذات ہر وجُود کی اصلی حقیقت ہے۔ دنیا ہر لمحہ اور ہر آن بدلتی رہتی ہے۔ ہر وقت ایک دُنیا معدُوم ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسری دنیا معرضِ ظہور میں آجاتی ہے۔ دنیا میں رہنے والے اکثر لوگ اس حقیقت سے نابلد رہتے ہیں جیسے کہ ارشادِ ربُّ العزت ہے:

بَلۡ ھُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ؕ

اشاعرہ کے علاوہ اہلِ نظر میں سے بھی کسی کو اس بات کی خبر نہیں کیونکہ بعض مظاہراتِ عالم سے انہیں اس حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے اور ان کا یہ کہنا صداقت پر مبنی ہے: الاعراض لا یبقٰی زمانین، "اعراض دو وقتوں میں باقی نہیں رہ سکتے"۔ اور طبقۂ حسبانیہ بھی جنہیں سوفسطائی کہا جاتا ہے، جملہ اجزائے عالم میں خواہ وہ جوہر ہوں کہ عرض، ان کے وجود کا قائل ہے۔ لیکن ان ہر دو مکتبۂ فکر کے لوگوں نے اصل مسئلے کے ایک پہلو کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

اشاعرہ نے یہ غلطی کی کہ اس ہستئ مطلق کے علاوہ جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے، جواہرِ متعدّدہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ اُن تمام اعراض کا انحصار جو ہمیشہ بدلتے اور نئی نئی شکلیں اختیار کرتے ہیں، وجودِ متعدّدہ پر ہے۔ اُنہوں نے غالباً اس حقیقت کا ادراک نہیں کیا کہ عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ان اعراضِ متعددہ سے بڑھ کر اور کچھ نہیں جو ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور ہر آن ایک نئی وضع اختیار کر کے بھی ایک ہی وجود میں سماتے

رہتے ہیں اور پھر ہر لحہ معدوم ہو کر اسی طرح کی نئی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں اس فوری تبدیلی کو دیکھ کر اہلِ نظر کو یہ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ عالَم کا وجود مستقل حیثیت کا مالک ہے۔

كَمَا يَقُوْلُ الْاَشَاعِرَه عَلٰى مَحَلِّ الْعَرْضِ مِنْ غَيْرِ خُلُوٍّ اَنْ مِنْ شَخْصٍ مِّنَ الْعَرْضِ مُمَاثِلِ الشَّخْصِ الْاَوَّلِ فَيَظُنُّ النَّاظِرِ اَنَّهَا اَمْرٌ وَّاحِدٌ مُّسْتَمِرٌّ ؎

یہ بحر نہ کثرت نہ کمی کا محتاج رہتی ہیں مدّ و جزر میں اس کی امواج
عالَم بھی عبارت ہے انہی موجوں سے موجیں ہیں کبھی تہ میں کبھی ہیں مَوّاج

عالَم کو تُو دیکھے جو بچشمِ غیرت ہے بحرِ رواں کی طرح اس کی صورت
جو لہر بھی سر بلند ہوتی ہے یہاں اُس لہر میں بھی ہوتی ہے حق کی قوّت

سُوفسطائیوں سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ عالَم کو صحیح طور پر مثالی قرار دیتے ہوئے بھی اُس ذاتِ حقیقی کا ادراک نہ کر سکے جو اس کی تہ میں کار فرما ہے اور جو مختلف صُوَر و اعراض کے رُوپ میں جلوہ نما ہو کر مظاہر و متکثّرات کی صُورت میں نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے صُوَرِ ظاہری کی حیثیّت میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا حالانکہ یہ ظاہری صُوَر و اعراض ہی اس حقیقتِ ثابتہ کا روپ خیال کئے جاتے ہیں ؎

ان فلسفہ دانوں کو خرد سے کیا کام دنیا ہے فقط ان کے لئے عالمِ اوہام
مانا کہ فقط وہم ہے دُنیا لیکن یہ بھی تو حقیقت کل ہے اِک دوسرا ہی نام

لیکن روحانیوں کے نزدیک حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کا جلوہ ہر آن نئی شان سے

ظاہر ہوتا رہتا ہے اور اس کی شانِ جلوہ نمائی میں کبھی یکسانیت نہیں ہوتی یعنی کسی بھی دو لمحوں میں اس کی تجلی کا ایک ہی جیسا رنگ و رُوپ نہیں ہوتا بلکہ ہر لمحہ وہ نئی شکل اور ہر آن نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے ؎

موجُود کی بھی عالمِ ہستی میں ہے کیا شان ۔۔۔ بدلی ہوئی تصویر نظر آتی ہے ہر آن
مطلُوب اگر ہے قولِ حق سے یہ دلیل ۔۔۔ ارشادِ خدا ہے کل یوم ہو فی شان

اس کا اصل بھید اس بات میں مضمر ہے کہ ذاتِ حق کے نام ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں ان میں اسمائے لطیفہ بھی ہیں اور قہریہ بھی اور یہ دونوں بروے کار رہتے ہیں ان کی کارپردازی میں کبھی تعطل پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب حقائقِ امکانیہ میں سے کوئی حقیقت اپنی شرائطِ لازمہ کے مطابق اور مخالف شرائط کے بغیر ظہور میں آنے کی استعداد پیدا کر لیتی ہے تو وُہ رحمٰن کی صفتِ رحمت بن جاتی ہے اور ذاتِ حق کا پرتَو اس پر چھا جاتا ہے۔ اس طرح وجودِ حقیقی ظواہر و خواص کا پیرہن بدل کر اپنے آپ کو ایک خاص عالَمِ مثالی میں ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اپنی اَحَدیّت کی صفت جبرُوت کے عمل سے جو تعیّنات اور کثرتِ صُوَری کے آثار کو مضمحل و معدُوم کر دینے کی متقاضی ہے اسے اپنے اصلی تشخّص سے علیحدہ کر دیتی ہے اور اسی لمحے اس وجُود کو اپنی صفتِ رحمانیت کے عمل سے اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا تشخّص دے دیتی ہے۔ دوسرے لمحے قہرِ اَحدیت کی وجہ سے اس کی یہ نوعیت بھی قائم نہیں رہتی اور رحمت کے عمل سے اسے کوئی اور شکل مل جاتی ہے اور جب تک منظورِ فطرت ہوتا ہے یہ عمل جاری رہتا ہے۔ لہٰذا کبھی یہ نہیں ہوتا کہ کسی دو لمحوں میں اس کی تجلیات ایک ہی طرح ظہور میں آتی رہیں۔ ہر لمحہ ایک عالَم معدُوم ہوتا ہے تو اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا عالَم پیدا کر دیا جاتا ہے لیکن جن لوگوں کی آنکھوں پر امثال کے تعاقب اور

حالات کی مناسبت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دُنیا ایک ہی حال پر قائم ہے اور گردشِ وقت سے وہ کبھی متاثر نہیں ہوتی ہے

اللہ رے وہ ذات کہ جو ہے مسجُود — شاہد بھی وہی اور وہی ہے مشہُود
وہ چاہے تو موجُود کو معدوم کر دے — اور چاہے تو معدُوم کو لائے بوجُود

بخشش بھی اسی کی ہے وہ داتا بھی ہے — یہ اُس کا کرم ہے کہ بناتا بھی ہے
دنیا کی حقیقت کو وہ لمحہ لمحہ — معدوم بھی کرتا ہے جلاتا بھی ہے

اس کا ثبوت کہ عالم، وحدتِ ذات یعنی حق اور اصلِ وجُود میں جمع شُدہ مجموعہ اعراض کے سوا کچھ نہیں، اس بات میں مُضمر ہے کہ جب مَوجُودات کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کے ذیل میں اعراض کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ اِنسان حیوانِ ناطق ہے تو حیوان سے ایسا نشوونما پانے والا جسم مُراد لیا جائے گا جو حسّاس اور اپنے ارادے سے حرکت کرنے والا ہو۔ جسم ایسا جوہر ہے جو ابعادِ ثلاثہ کا حامل ہے اور جوہر کا بذاتِ خود اپنا ایک وجُود ہوتا ہے جس کا کسی اور مَوضُوع سے تعلّق نہیں ہوتا۔ موجود وہ ذات ہے جو اصلِ حقیقت بھی ہے اور واجبُ الوجود بھی۔ ان تعریفات میں جو مُصطلحات استعمال ہوئی ہیں، سوائے اُس ذاتِ مُبہم کے جو ان سے مترشح ہے، سب کی سب اعراض کے تحت آتی ہیں۔ ناطق اسے کہا جاتا ہے جو نُطق سے کام لے اور نامی کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ نشوونما پاتا رہے۔ یہی حال دیگر اُمور کا ہے اور یہ ذاتِ مُبہم اصل میں وجُودِ حق اور ہستیٔ حقیقی ہے جو فی ذاتہٖ قائم و دائم ہے اور جملہ مظاہرات بھی اُسی کا پرتو ہیں۔

یہ جو فلاسفہ کا دعویٰ ہے کہ ان اصطلاحات سے کوئی وجہ تمیز یا حدِّ فاصل

قائم نہیں ہوتی بلکہ صرف ان علامتوں کی نشاندھی ہوجاتی ہے جن سے ہم امتیازات معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ ان علامتوں کے بغیر امتیازات اوران کی پیچیدگیوں کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ان کا یہ مفروضہ نہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ غور وفکر کے قابل ہے۔ اور اگر اس مفروضے کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو جو کچھ بھی جوہرِ ذات سے متعلق نظر آئے گا تو وہ اس جس کے سبب وہ قائم ہے، غیر متعلق دکھائی دے گا۔ یہ کہنا کہ ذاتِ واجبُ الوجُود کے سوا بھی کوئی اور شئے موجُود ہے، انتہائی حماقت اور بے دانشی ہوگی اور وہ بھی خصُوصًا اس حال میں کہ اربابِ حقیقت کی دانش وبینش جو انہیں مشکوٰۃِ نُبوّت سے حاصل ہوئی ہے، اس کی تکذیب کرتی ہے اور اس کے مخالفین بھی اپنے موقف کے ثبوت میں کوئی واضح اور مسکت دلیل بھی نہیں لاسکتے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ط

تحقیقِ معانی کو عبارت میں نہ ڈھونڈ — مطلب ہے اگر نور سے ظلمت میں نہ ڈھونڈ
ہے تجھ کو اگر جہل کا منظور علاج — تو اس کی دوا کتابِ حکمت میں نہ ڈھونڈ

ہر راہ نے کی بڑھ کے اگر راہبری — رہرو کو کبھی اس طرح منزل نہ ملی
اُٹھے ہیں نہ جب تک یہ نظر کے پردے — انوارِ حقیقت کی بھی بارش نہ ہوئی

پردوں کو ہٹا دے ہے اگر دیکھی حُبّ — یہ شوق ہے بیکار کہ جمع ہوں کُتب
کس کام کا یہ پڑھنا، پڑھانا آخر — اس پھندے کو چھوڑ، عُد اِلی اللّٰہ وتُب

ستائیسواں لائحہ

ظاہر و مظہر

وحدتِ حقیقی کے جمال پر جو سب سے بڑا حجاب اور دبیز ترین پردہ پڑا ہوا ہے وہ تقیُّد و تعدُّد کا پردہ ہے جو دجُود کا ظاہر بن کر دکھائی دیتا ہے اور یہ نتیجہ ہے اِس بات کا کہ ذاتِ حق کا اوّلین نقش اپنی اُن مختلف صِفات وصُورت کا پیرہن اختیار کر لیتا ہے جن کا تعلق ان کے باطنی وجود سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جن کی آنکھوں پہ یہ پردے پڑے ہوئے ہیں، انہیں نقشِ اوّل اشیاء کی ظاہری صُورت میں ہی نمایاں نظر آتا ہے۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ خارجی وجُود کی معمولی سی خوشبُو بھی ان کے مشامِ جاں تک نہیں پہنچ پاتی اور یُوں وہ لاموجودیّت کے چکر میں ہی گھرے رہتے ہیں اور زندگی بھر اسی طرح گھرے رہیں گے۔

موجُود اور مشاہدے میں آنے والی شئے صرف ذاتِ حق ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اُس کا وجود اپنے خواص و اثرات کے لباس میں ظاہر ہو نہ کہ ان کے بغیر، کیونکہ اس صُورت میں داخلیت و اخفا اس کی ذاتی صفات بن جائیں گی۔ اس اِعتبار سے وجُود فی الحقیقت اپنی وحدتِ حقیقی کی بنا پر قائم ہے جو ازل سے قائم ہے اور ابد تک رہے گا۔ لیکن عام لوگوں کی نظریں جو ان پردوں کی قید سے آزاد نہیں، ذاتِ واحد کو اس کے خواص و اثرات کی کثرت کے سبب مظہری اور اعتباری شکل ہی میں دیکھ سکیں گی اور وہ انہیں ایک نہیں بلکہ بیشمار اور لاتعداد صُورتوں میں نظر آئے گی ؎

بہتا ہوا مواج سمندر ہے وجود	موجوں کے سوا کچھ نہیں اس میں موجُود
جو موج بھی اٹھتی ہے تہِ دریا سے	ہوتی ہے اسی موج سے دریا کی نمود

ہے سرِّ الٰہی سے عبارت دنیا — ظلمات میں جیسے چشمۂ آبِ بقا
دریا میں جو مہتاب چمک اٹھتا ہے — وہ اصل میں دریا ہی کا ہے آئینا

جب ایک شئے کسی دوسری شئے میں عکس انداز ہوتی ہے تو عکس ڈالنے والی شئے (ظاہر) اس شئے سے جس پر اس کا عکس پڑے (مظہر) سے مختلف ہے اور اس طرح ظاہر کا جو عکس مظہر میں پڑے گا وہ اصل وحقیقت نہیں بلکہ اس کی مثل و مشابہت ہوگا لیکن یہ شرف صرف وجودِ حق اور ہستیِ مطلق کو حاصل ہے کہ اس کی ظاہریت عین مظاہرات کے مطابق ہوتی ہے اور جملہ مظاہرات اسی کی ذات کے مظہر ہوتے ہیں ؎

کہتے ہیں کہ دل بھی کیا ہے آئینہ مثال — عکاس ہے اس میں خوبرویوں کا جمال
شاہد کا ہو عکس اس میں بڑی بات نہیں — خود آئینہ شاہد ہے یہ ہے اس کا کمال

آئینہ تری ذات سے ہے پُرتنویر — ہے جلوہ گر اس میں تو ہے تیری تصویر
یہ تیرا کرم ہے کہ ہر آئینے میں — بے شکل بھی ظاہر ہے تری ذاتِ منیر

اٹھائیسواں لائحہ

ہستیٔ عالم ہست

ذاتِ حق یعنی ہستیٔ مطلق اپنے تمام رشتہ و پیوند، صفات اور نسبت اعتبار کے لحاظ سے کہ جو موجودات کے حقائق کی صورت میں جلوہ پذیر ہیں، ہر وجود کی ہستی میں جاری و ساری ہے لہٰذا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ ہر چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہر چیز اُس کی ذات میں موجود تھی۔ "گلشنِ راز" کے مصنف محمود شبستری نے کیا خوب کہا ہے ؎

کبھی قطرے کا دل بھی چیر کر دیکھ
رواں ہوں گے کئی دریا اسی سے

ہستی کہ ہے اصل میں خداوند کی ذات — ہر چیز اسی میں ہے وہ ہر شئے میں حیات
عارف کے بھی کہنے کا ہے مقصود یہی — ہر چیز کی ہستی کا وہی ہے اثبات

انتیسواں لائحہ

ذات و مظاہرات

مظاہرِ قدرت کی شکل میں رُو نما ہونے والی ہر قوت اور ہر فعل اصل میں ذاتِ حق کا آئینہ دار ہے اور یہ ذات دکھائی دینے والے مظاہرات میں از خود موجود رہتی ہے اور اس کی موجودگی مظاہر کی وجہ سے نہیں ہوتی۔
"حکمتِ علمیہ" میں شیخ محی الدین ابن العربی کا ارشاد ہے:

لَا فِعْلَ لِلْعَيْنِ بَلِ الْفِعْلُ لِرَبِّهَا فَاطْمَأَنَّتِ الْعَيْنُ أَنْ يُّضَافَ إِلَيْهَا فِعْلٌ۔

ظاہرِ وجود (عین) کا خود کوئی فعل نہیں بلکہ اس کے تمام افعال اپنے رب کے واسطے سے ہیں، اس لئے یہ ظاہر وجود غیر فعّال ہے اور اس کی جانب کوئی فعل راجع نہیں ہوتا۔

قوت و فعل کا اصل تعلّق بندے سے ہے۔ کیونکہ حق بندے کے نفس کی وجہ سے نہیں، اس کی ظاہری خلقت کے سبب ظاہر ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ط

کتاب اللہ کی اس نصِّ صریح کا مطالعہ کر اور اس بات کو تسلیم کرلے کہ تیری ہستی تیری طاقت اور تیرا ہر فعل اسی ذات کی بخشش ہے جس کا اور کوئی ثانی نہیں ہے

هم پیکرِ عجز ہیں ہمیں کیا مطلوب — یہ زیست بھی اپنی ہے نہ واجب نہ وجوب
جب ذات اسی کی جلوہ گر ہے ہم میں — ہر بات پھر اُس کی ہوگی ہم سے منسوب

ہستی ہی کے جب اپنی کچھ آثار نہیں
ہم اپنے کسی فعل کے مختار نہیں

سُن مجھ سے کہ ہے بڑے پتے کی یہ بات
کیا نقش ہو جب سامنے دیوار نہیں

وصفوں کا رہے گا اپنے حاسد کب تک
بیچے گا یہی متاعِ کاسد کب تک

تیری کوئی ہستی ہے نہ ہے تیرا وجُود
یہ سلسلۂ خیالِ فاسد کب تک

تیسواں لائحہ

خیر و شر

مظاہرات سے صادر ہونے والی تمام صفتیں، کیفیات اور احوال چونکہ اصل میں ذاتِ حق کے جلوے ہی کو آشکار کرتے ہیں اور اگر ان میں شر یا کوتاہی واقع ہو جائے تو یہ ان میں کسی اور شے کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ کیونکہ حق کا وجود فی نفسہ خیرِ محض کا نام ہے۔ اور جب کسی امرِ وجود میں شر کا شائبہ پایا جائے تو اس کی وجہ کوئی ایسی کمی ہوگی جسے موجود ہونا چاہیئے تھا نہ کہ موجودِ حقیقی کی اپنی ذات جو ہر لحاظ کامل و اکمل ہے ؎

ہر بات کہ ہو جس میں کوئی خیر و کمال — اللہ کے الطاف و کرم کی ہے مثال
اور شر و فساد کی جو ہوتی ہے بنار — انسان کے جوہر میں کمی کا ہے مآل

حکمار کا دعویٰ ہے کہ وجودِ حق کا محض خیر ہونا لازمی ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے چند مثالیں بھی دی ہیں۔ ان کی یہ دلیل ہے کہ موسمِ سرما (برد) سے پھلوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے یہ موسم پھلوں کے واسطے باعثِ ضرر ہے لیکن برودت بھی چونکہ ذاتِ حقیقی کی ہی ایک صفت ہے، اس لحاظ سے یہ محض ضرر نہیں بلکہ جزوِ کمال ہے۔ باعثِ ضرر صرف اس لئے ہے کہ اس کا وجود پھلوں کو پختہ نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح قتل جس پر شر کا اطلاق ہوتا ہے اس وجہ سے شر نہیں کہ قاتل کو قتل کرنے پر پوری قدرت حاصل ہے یا وہ آلۂ قتل سے کام لے سکتا ہے یا وہ مقتول کے کسی عضو کو قطع کرنے کا مجاز

ہے بلکہ شر اس کو اس لئے کہا جائے گا کہ اس کام سے ایک شخص اپنے وجود سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اس کام سے اثبات کی نفی لازم آتی ہے۔ یہی حال دوسری مثالوں کا ہے ؎

ہوتا ہے جہاں وجود سرگرمِ عمل — جز خیر نہیں ہوتا کوئی اس کا بدل
شر پیدا عدم سے ہے عدم لاموجود — یوں شر ہے عدم ہی کا ظہورِ اوّل

اکتیسواں لائحہ

وجود کی صفتِ علم

شیخ صدرالدین محمد بن اسحٰق القونوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ (م: ۱۲۷۲ء) اپنی کتاب "النصوص فی تحقیق الطور المخصوص" میں رقمطراز ہیں کہ وجود کی ایک صفت علم بھی ہے کیونکہ ہر موجود شے اپنے ہونے کی وجہ سے معلوم بن جاتی ہے اور علم ہونے کے درجات کا یہ تفاوت خود ان اشیاء کی اس قابلیت کے باہمی فرق کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آیا وہ وجود کو مکمل طور پر اختیار کرتی ہیں یا غیر مکمل طور پر۔ چنانچہ جو شے جتنے کامل و اکمل طریقہ سے وجود کو اپنا لینے کی صلاحیت رکھتی ہے، اتنا ہی اس کی معلومیت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو چیز جتنے غیر مکمل طریقے سے وجود کو اپناتی ہے اتنا ہی اس کا علم کم ہوتا ہے اور یہ فرق ہر شے کے وجوب و امکان پر قوی اور کمزور اثرات کی وجہ سے بروئے کار آتے رہتے ہیں جس شے پر وجوب کا جتنا اثر غالب ہوگا، اتنا ہی اس کا وجود اور علم مکمل ہوگا۔ اسی طرح امکان سے اثر پذیر ہونے والی شے وجود و علم کی حیثیت سے ناقص ہی رہے گی۔

ظاہر ہے کہ علم کو جو شیخ قونوی نے وجود کی صفتِ لازم قرار دیا ہے تو یہ مثال دے کر سمجھانے کے لئے ہے۔ کیونکہ وجود کے دیگر کمالات جو در حقیقت اس کی صفات ہی کے مظہر ہیں جیسے حیات، قدرت اور ارادہ وغیرہ، یہ سب علم کے دائرے میں آتے ہیں۔

بعض صوفیائے کرام (اللہ ان کے بھیدوں کو پاک کرے) نے یہ بھی کہا ہے کہ موجود شے صفتِ علم سے خالی نہیں۔ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک کو تو عُرفِ عام میں علم ہی کہا جاتا ہے لیکن دوسرا عُرفِ عام میں علم سے مَوسُوم نہیں ہوتا۔ مگر اربابِ حقیقت اِن دونوں کو علم ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اُنہیں جُملہ موجودات میں حق سُبحانہ وتعالیٰ کا ذاتی علم ہی جاری وساری نظر آتا ہے۔ دُوسری طرح کا علم پانی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جو عام طور پر صفتِ علم سے مُبرّا ہے لیکن پَست و بلند کی تمیز رکھتا ہے۔ بلندی کو چھوڑ کر نشیب کی طرف بہہ نکلتا ہے۔ اسی طرح جسم کے مسامات میں بھی اس کا عمل دخل ہے۔ موٹے جسموں سے یہ قطرات کی صُورت میں خارج ہو کر خشک ہوتا رہتا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اس کا جاری ہونا صفتِ علم کی وجہ سے ہے اور وہ بھی اس مناسبت سے کہ ایک جسم میں تو اسے قبول کرنے کی صلاحیّت مَوجُود ہوتی ہے لیکن بعض اجسام میں یہ صلاحیّت ہوتی ہی نہیں لیکن اس حَیثیّت میں بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر علم ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اس نظریّے کے تحت علم جُملہ مَوجُودات میں سرائیت کرتا ہے بلکہ جتنے بھی کمالات وجود سے متعلّق ہیں، وہ سب کے سب بلاتخصیص موجودات میں جاری وساری رہتے ہیں ؎

اوصاف جو ہستی میں نہاں ہوتے ہیں ہر طور وہ ہستی سے عیاں ہوتے ہیں
جس وصف کے قابل کوئی ہوتا ہے وجود اس وصف کے ہی اس میں نشاں ہوتے ہیں

تینتیسواں لائحہ

کُلیّت و مُطلقیّت

جس طرح حقیقتِ محض (وجُودِ حقیقی) ذات پر کمالِ نُزہت کے اطلاق کی وجہ سے ہر شئے کے وجُود میں جاری ہو کر خود اُس شئے کے قالب میں ڈھل جاتی ہے کیونکہ قالبِ شئے اصلِ ذات میں وجود رکھنے کے باعث خود ذات ہی سے مشابہ ہوتا ہے، اسی طرح ذات کی جملہ صفاتِ کاملہ اپنی کُلیّت اور مطلقیت کی بناء پر مَوجُودات کی صفتوں میں اسی طرح جاری رہتی ہیں کہ اپنا علیحدہ وجود رکھتے ہوئے بھی وہ ذاتِ حقیقی کی صفات بن جاتی ہیں اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ ذاتِ کامل سے مُتّصِل رہنے کے باعث وہ خود ہی صفاتِ کاملہ ہیں۔

مثلاً کسی عالم کے علمِ جزئیات میں ماہر ہونے کے سبب اُس کی صفتِ علمِ جزئیات کے علم سے مشابہ ہوگی اور وہ شخص جو کلیات کے علم سے بہرہ ور ہے، اُس کی علمی صفت، علمِ کلیات کی شکل اختیار کرے گی۔ علم اگر کسبی اور وہبی ہے تو صفتِ علم پر بھی فعلی اور انفعالی اثرات غالب رہیں گے اور وَجدان و ذوق کا علم رکھنے سے اس صفت کا رنگ بھی ذوق و وَجدان جیسا ہوگا۔ یہی صورتِ حال اُن موجودات کے علم کی بھی ہے جن کی اہلِ علم کو خاص پہچان نہیں لیکن اپنی حَیثیت کے مطابق اُن کے موجود ہونے کی وجہ سے ان کی معلُومیّت سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔

ذات کی دیگر صفات و کمالات کا بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے ؎

مضمر ہیں وجود میں جو خود اپنی صفات — ہوتی ہیں وہی اصل میں آئینۂ ذات
جو وصف بھی ذات کا ہو جتنا کامل — اتنی ہی وجُود میں ہے اس کی اُوقات

پَرتو ہے تری ذات کا ہر مظہر میں　　اور وصف ترے ہیں اس کے ہر جوہر میں
کامل ہے تری ذات میں ہر وصف مگر　　جلوہ ہے ترے وصفوں کا ہر پیکر میں

تنتیسواں لائحہ

ذات و آثارِ ذات

حقیقتِ وجود اصل میں حق تعالیٰ جل سبحانہ کی ذات ہے۔ امکان و وجوب حالت و کیفیت اور رشتہ و پیوند سب اسی ذات کی صفات ہیں؛ اور مختلف صورتوں میں ان کا ظاہر ہوتے رہنا خود ذات کا اپنا فعل اور اپنا اثر ہے جو مظاہرات سے نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ انکشافِ ذات کے اس طریق کار سے مترتب ہونے والے نتائج ذات ہی کے آثار کہلاتے ہیں۔

اوصاف کے پردوں ہی میں وہ پردہ نشین
بن جاتا ہے خود مظاہرِ دنیا و دیں
ہر شے میں صفت اس کی ہے فعل اس کا ہے
یہ نکتہ سمجھ لے تو پھر آئے گا یقیں!

چونتیسواں لائحہ

تجلّیٔ ذات و تجلّیٔ صفات

شیخ محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ نے "فصُوص الحِکم" کے متن میں بعض مقامات پر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ممکنات کے اصلی جوہر اور جُملہ کمالات اپنے وجود کے لئے حق تعالیٰ سُبحانہٗ کی ذات کے رہینِ منت ہیں۔ اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وجودِ حقیقی کے علاوہ افاضتِ وجود کے نام کی کوئی اور شے نہیں اور وجود کے تابع رہنے والی صفات کا جہاں تک تعلُّق ہے تو وہ خود جوہرِ حقیقی کے اپنے اثرات ہیں۔ ان ہر دو نظریات میں یُوں مطابقت پیدا کی جا سکتی ہے کہ حق سُبحانہٗ تعالیٰ کی ذات سے دو طرح کی تجلّیات صادر ہوتی ہیں۔ پہلی عینِ ذات کی علمی تجلّی ہے جسے صُوفیائے کرام نے "فیضِ اقدس" (عقلِ کُل) یا تجلّیٔ ذات سے تعبیر کیا ہے جو عالمِ علمی میں صورِ علمیہ اور ان کی قابلیّت و استعداد کے مطابق ذاتِ حق کے خود اپنے ازلی و ابدی ظہور سے عبارت ہے۔ دوسری کو تجلّیٔ صفات و شہُود کہتے ہیں جس کا دُوسرا نام "فیضِ مقدس" (نفعِ کل) ہے جس سے وجُودِ حق تعالیٰ کے مظاہرات عالمِ عینی کے اپنے خواص و اثرات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ دوسری تجلّی، پہلی تجلی کے ضمن میں ہے یعنی اس کے تابع ہے اور یہ ان کمالات کا مظہر ہوتی ہے جو پہلی تجلی کی رُو سے خود اپنے جوہر کی قابلیّت و استعداد کے مطابق مرتب ہوتے رہتے ہیں ؎

یہ بھی ہے کرم تیرا کہ سب تیرے گدا ہے یہ بھی کرم، ہر اک کا حصہ ہے جُدا
اس پہلے کرم کی ہے ازل سے نسبت منسُوب ابد ہے دوسری شانِ عطا

لہٰذا حق سبحانہ، تعالیٰ کی ذات پر وجود کے اور ان کمالات کے انتساب سے جن کا وجود پر انحصار ہے، مجموعی اعتبار سے دو طرح کی تجلیات ظہور میں آتی ہیں اور وجودِ حق کی افاضت نیز اس کے تابع رہنے والے اعیان و اعتبارات کی افاضت دوسری تجلی کہلائے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مظاہر سے وابستہ وجود کی افاضت اور اس سے متعلقہ ظاہر ہونے والی صفات تجلیِّ ثانی پر مترتب ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ تجلائے اوّل کا یہی تقاضا ہے۔

سُن بات اسے باندھ گرہ میں مضبوط جس شے میں بھی جو فعل و صفت ہے مخلوط
اک طرح تو ان سب کی ہے نسبت ہم سے اک طرح سے جو کچھ ہے وہ حق سے مربوط

خاتمۂ کتاب:

اس عبارت آرائی اور توضیحات سے مجھے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حق سبحانٗ وتعالیٰ کی ذات واجبُ الوجود ہے اور ہر موجود شے میں اُس کی تجلّیات جاری وساری ہیں لہٰذا اس کی پہچان کرنے کے لئے رہروانِ معرفت اور سالکانِ طریقت کو احتیاط واجب ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط ذات کے مشاہدے میں گم ہو کر وہ اصل ذات کا مشاہدۂ جمال نہ کر سکیں اور موجودات میں کسی ایک صفت کو دیکھ کر ذاتِ واحد کی دیگر صفتوں کے کمالات کے مطالعے سے محروم رہیں۔ چنانچہ جو کچھ مَیں نے بیان کر دیا ہے وہ اس مقصد کی تشریح کے لئے کافی اور اظہارِ مدّعا کی توضیح کے لئے بہت ہے۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے اَب اِس ضمن میں ذیل کی چند رُباعیات پر ہی مَیں اپنی بات ختم کرتا ہوں ؎

بے سود ہے جامی یہ تیرے فن کا کمال | کب تک یہ سخن سرائی و حُسنِ مقال
اظہارِ حقائق کا سخن میں ہے محال | بیکار یہ کیوں لیا ہے سر پہ جنجال

گدڑی وہی اچھی ہے جو تن پوش رہے | عاشق ہے تو ہر حال میں باہوش رہے
پڑے ہی سخن کے ہوں جب اس رُخ کا حجاب | انسان کو لازم ہے خاموش رہے

فریاد و فغاں سے کچھ نہ جب ہاتھ آئے | بے سود یہ واویلا، یہ ہائے وائے
مل جائیں گے خود تجھ کو حقائق کے گہر | تو مثلِ صدف گوش اگر بن جائے

بے فائدہ ہے نازِ سخن سازی پر
بات اپنی کبھی کھوتے نہیں اہلِ ہنر
باتوں سے نہ اٹھیں گے حجاباتِ وجود
کٹتے نہیں الماسِ سخن سے یہ گہر

نازاں ہو ہنر پر نہ رہِ عیب کو جا،
یوں محوِ خودی ہو کہ خدائی ہو جا
وہ جلوہ تری ذات سے باہر تو نہیں
گردن کو جھکا مراقبے میں کھو جا

کیوں اس کے غمِ عشق میں ہے چاک کفن
تو ہیچ ہے اور ہیچ ترا طرزِ سخن
جب مُہرِ دہانی ہی صفت ہے اسکی
ہے تجھ کو سخن کا یارا خاکت بدہن

جامی ہے غمِ دوست فقط دل کا مکیں!
دنیا کو غمِ دوست کی کچھ قدر نہیں
مشکل سے ہوا یہ مُرغِ غم ہم سے رام
چھیڑو نہ اسے پھر نہ یہ اُڑ جائے کہیں

تمّت الرسالۃ بعون اللہ وحسن توفیقہٖ وصلّی اللہ علی
مُحمّد واٰلہٖ واصحابہٖ —

معانی لغات و اصطلاحات

آثار : 'اثر' کی جمع، نشانیاں، ظاہری و باطنی حالات جن سے کسی شے کی حقیقت معلوم ہو۔

آفاق : 'افق' کی جمع، ساری دنیا، آسمان کے کنارے۔ عالمِ اجسام بھی مراد ہے۔

آمال : 'امل' کی جمع، امیدیں، آرزوئیں۔

آنات : 'آن' کی جمع، وقت، لمحات، ماضی و مستقبل کے درمیان حدِ فاصل۔

اَبدیّت : جس کی کوئی حد نہ ہو ؏ نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے۔

ابعادِ ثلاثہ : طول، عرض اور گہرائی۔

اتحاد : عارفوں کے نزدیک کثرت و وحدت کا مقام ہے جو ایکائی کہلاتا ہے۔

اتّصاف : ایک چیز کا دوسری چیز سے متّصف ہونا۔

اَحد : اہلِ معرفت کے نزدیک اسمِ ذات ہے۔

احوال : 'حال' کی جمع، کیفیّت۔ سالکانِ طریقت کے نزدیک قلبی واردات کا نام ہے۔

اَربابِ شہود : کشف و کرامت اور حق و معرفت والے لوگ۔

ازل : ماضی کی ہمیشگی جس کی کوئی ابتدائی حد نہ ہو۔ اَزلیّت اللہ کی صفت ہے۔

اِستجلا : تعینات میں اللہ کا ظہور صرف اپنی ذات کے لئے۔

اِستعداد : وہ قابلیت جو مختلف موجودات میں اپنی حیثیت کے مطابق ذاتِ کامل سے کمال و زوال حاصل کرنے کے لئے موجود ہوتی ہے۔

اسماءِ الوہیّت : مقاماتِ الٰہیّت میں یہ حق تعالیٰ کے نام اور صفات کے مظہر ہیں جنہیں اسمائے ذات اور اسمائے صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اشاعرہ : 'اشعریہ' کی جمع، علی بن اسمٰعیل اشعری کے پیروکاروں کا ایک فرقہ جو تیسری صدی کے آخر میں فرقہ معتزلہ کے اس نظریے کا مخالف تھا کہ خدائے تعالیٰ کا دنیا و آخرت میں دیکھنا ممکن نہیں اور نیکی خدا کی طرف سے اور بدی اپنے نفس کی طرف سے ہے۔

اضافات : ایک چیز کا دوسری چیز سے نسبت رکھنا۔

اعتبارات : 'اعتبار' کی جمع، حیثیتیں، عبرت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

اعیان : 'عین' کی جمع، اصطلاحِ صوفیہ میں صورِ علمیہ اور اصطلاحِ حکماء میں ماہیتِ اشیاء، یہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ممکنات و ممتنعات، اعیانِ ثابتہ۔ اسماءِ الٰہی کی صورتیں

اکوان : موجود ہونا۔ یہ چار قسم کا ہوتا ہے، سکونی، حرکتی، افتراقی اور اجتماعی، دنیا۔

انسان : مردمکِ چشم کو بھی کہتے ہیں۔ انسان ہمہ بین تو ہے لیکن خود بین نہیں کیونکہ نفس و جسد کا مجموعہ ہے۔

انفعال : منفعل پر فاعل کی طرف سے مترتب ہونے والے اثرات۔

بحر : دریا، سمندر، حق تعالیٰ کی ذات و صفات مراد ہے جس کی امواج سے کائنات عبارت ہے۔

تاثر : وہ کیفیت ہے جو موجوداتِ طبیعیہ ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں

تجرد : دُنیوی رشتہ و پیوند سے کنارہ کش ہو جانا۔

تجلی : غیبی انوار جو دل کو روشن کرتے ہیں۔ یہ دو طرح کے ہیں۔ تجلّی ذاتی و تجلّی صفاتی۔

تعینات : 'تعیّن' کی جمع، پہچان۔ اصطلاحِ صوفیہ میں تعیّن اول سے مراد وحدت اور تعیّنِ دوم وحدانیت ہے۔ تعیّن ہی کے ذریعے ایک شے کو دوسری شے سے پہچانا جاتا ہے۔

تفرقہ : ہر تعلق سے بے نیاز ہو جانا۔ اس کی ضد جمعیت ہے یعنی ذاتِ واحد کے مشاہدے میں کھو جانا۔

تقیدات : "تقید" کی جمع، محدود ہو جانا۔
جمال : حُسن، رَوشنی، اللہ کے اَوصافِ لطف و رحمت۔
جمعیت : ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو کر ذاتِ حق میں منہمک ہو جانا۔
جوہر : فلاسفہ کی نظر میں وہ موجود ہے جو اپنی ذات سے قائم اور مستقل ہو۔
حقائق : 'حقیقت' کی جمع، اسمائے الٰہی اور حقیقت الحقائق سے ذاتِ احدیت مراد ہے۔
ذوات : 'ذات' کی جمع، کسی چیز کا ہونا۔ عام طور پر خدا کی ذات مراد لی جاتی ہے۔
سالک : معرفت و سلوک کی راہ پر چلنے والا صوفی جو تقربِ الٰہی کا طالب ہو۔
سوفسطائی : حکماء کا وہ گروہ جن کے خیالات کی بنیاد وہم پر ہے اور جو حقائق کے انکاری ہیں۔
شہود : جملہ موجودات میں ذاتِ حق کا نظر آنا
ظہور : ظاہر ہونا۔ ظہورِ حق عام طور پر اسماء اور ذات و تعینات کی تجلی سے عبارت ہے
عارض : پیش آنے والا، اصطلاحاً نورِ ایمان کا کشف مراد ہے۔
عدم : وجود کی ضد، کسی شے کا نہ ہونا۔
عرض : وہ شے جو اپنی ذات میں جوہر سے قائم ہو، اس کا وجود اعتباری ہوتا ہے۔
عرفان : خداشناسی۔ معرفتِ حق تعالیٰ۔
علم : واقفیت، اصطلاحِ صوفیہ میں مشکوٰۃِ نبوّت سے حاصل کیا ہوا وہ نور جو طلبِ حق کی خاطر مومن کے دل کو روشن کرے۔
غنا : بے نیازی، اصطلاحِ صوفیہ میں دل و نفس کا غنا۔ یعنی ہر شے سے بے نیاز ہو کر حق سے لو لگانا۔
فقر : محتاجی، درویشی، طریقِ صوفیا میں اس کی اصل نیازمندی ہے۔

فیض : فائدہ پہنچانا۔ 'فیضِ اقدس' سے مراد ذاتِ حق کی تجلّی ہے۔ اور 'فیضِ مقدس' وجودِ ذات کی تجلّی سے عبارت ہے۔

کثرت : زیادتی، بہتات۔ وحدت کی ضد

کشف : کھولنا، ظاہر کرنا، وہ درجہ جہاں پہنچ کر اولیاء اللہ پر غیب کے اسرار کھل جاتے ہیں

متعیّن : کسی چیز یا بات پر لازم و مقرر ہونے والا۔

مَراتب : 'مرتبہ' کی جمع، حیثیت، درجہ۔

مطلق : قطعی، نفی کی تاکید کے لئے بالکل کی جگہ مستعمل ہے۔ آزاد۔

مظاہر : 'مظہر' کی جمع، ظاہر ہونے کی جگہ۔ کسی شے کا مظہر خود اس کی اپنی صورت ہوتی ہے اور صورت معقول یا محسوس ہونے کی دلیل ہے۔ انسان جملہ اسماء و صفات اللہ کا مظہر ہے، اسی لئے معرفتِ خداوندی حاصل کرنا اس کے خصائص میں داخل ہے۔

معقولات : 'معقول' کی جمع۔ حکمت و دانائی کے علوم، معلومات، ظاہر و آشکارا علوم۔

مُمیّزات : 'ممیّز' کی جمع۔ اچھے کو بُرے سے جُدا کرنے والا۔

منافی : ضد، خلاف۔

منطق : وہ علم جو قطعی دلائل سے حق کو حق اور باطل کو ناحق ثابت کرے۔

مَنقولات : وہ علوم جن میں اقوال سے بحث ہو اور عقلی دلائل نہ دیے جائیں۔

مَوالیدِ ثلاثہ : حیوانات و نباتات و جمادات۔

نہایات : 'نہایت' کی جمع، حصولِ قرب کی دس منازل: معرفت[۱]، فنا[۲]، بقا[۳]، تحقیق[۴]، تلبیس[۵]، وجود[۶]، تجرید[۷]، تفرید[۸]، جمع[۹] اور توحید[۱۰]۔

واجب : جو اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ ذاتِ خداوندی۔

وحدت : یگانہ ہونا، توحید۔ صوفیوں کی اصطلاح میں جملہ موجودات کو اعتباری اور فرضی ماننا۔ اصل میں تمام چیزیں وجود خدا ہیں جیسے پانی میں قطرہ کہ سمندر میں گرا تو سمندر بن گیا۔

وقوف : واقفیت، شعور، تمیز۔

ہیولیٰ : ہر چیز کا مادّہ، ہر شے کی ماہیت۔

ہیئت : بناوٹ، ساخت، حالت، کیفیّت۔

حوالہ کتب و مشاہیر

۱۔ اشارات : ابن سینا کی مشہور عربی کتاب "الاشارات والتنبیہات"۔

۲۔ جبائیہ : ابوہاشم عبدالسلام بن ابی علی کے مرید جو ذمیہ بھی کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ذات واجب الوجود کی صفات عینی ہیں۔ اس طرح وجودِ خداوندی کے منکر ہیں۔

۳۔ شفا : ابوعلی سینا کی مشہور کتاب فلسفہ۔

۴۔ قانون : طب میں بوعلی سینا کی مشہور تصنیف ہے۔

۵۔ نجات : یہ بھی فلسفہ میں بوعلی سینا کی کتاب ہے۔

شیخ صدرالدین قونوی : صدرالدین محمد بن اسحٰق قونوی ساتویں صدی ہجری کے عارفوں میں سے ہیں جو عرفان و تصوف کے ایک خاص مسلک کے بانی ہیں۔ مولانا محی الدین کے بقول وہ قونیہ میں بسال ۶۷۲ھ فوت ہوئے اور ۶۰ سال سے اوپر زندہ رہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی : "فتوحاتِ مکیہ" اور "فصوص الحکم" کے مصنف ہیں۔ ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ کو رحلت فرمائی۔

۶۔ گلشنِ راز[1] : شیخ سعدالدین محمود شبستری کی مشہور مثنوی ہے جس میں عقیدۂ وحدت الوجود کو نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی ایک اور کتاب "انسانِ کامل" بھی ہے۔

---

[1] فارسی متن مع انگریزی ترجمہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے طبع ہو چکا ہے۔

۷۔ مثنوی[1] : مولانا جلال الدین محمد (مولانائے رُوم) کی مشہور مثنوی جو ۶ دفتر میں موجود ہے اور جو "بشنو از نَی چوں حکایت میکند، وز جدائیہا شکایت میکند" کے پہلے شعر سے شروع ہوتی ہے ۔ نکاتِ معرفت کا خزینہ اور رازہائے حقیقت کا گنجینہ ہے ۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

---

[1] فارسی متن مع اردو ترجمہ و حواشی اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے طبع ہو چکا ہے ۔

کتبِ تصوف
مثنوی معنوی (فارسی متن اردو ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی) ۱۵۰/-
رحمۃ للعالمین (انگریزی ترجمہ) قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۱۵۰/-
کشف المحجوب (فارسی متن نسخہ تہران) شیخ علی ہجویری ۴۵/-
کشف المحجوب (اردو ترجمہ نسخہ سمرقند) ۲۷/-
کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نسخہ لاہور) ۶۰/-
تعرف - امام ابوبکر بن ابو اسحق کلاباذی ۱۸/-
فتوح الغیب - شیخ عبد القادر جیلانی ۱۵/-
آداب المریدین - شیخ ضیاء الدین سہروردی ۱۵/-
انفاس العارفین - شاہ ولی اللہ دہلوی ۲۴/-
مناقب المحبوبین - نجم الدین سلیمانی ۱۸/-
مرآت العاشقین - خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۸/-
صد میدان - خواجہ عبد اللہ انصاری ۱۸/-
شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم - شیخ یوسف اسمٰعیل نبہانی ۱۵/-
حدیقۃ الاولیاء - مفتی غلام سرور لاہوری ۲۴/-
گلزار ابرار - محمد غوثی مانڈوی ۳۶/-
مکتوبات - خواجہ محمد معصوم سرہندی ۲۱/-
تصوف اسلام - عبد الماجد دریا بادی ۱۵/-
دعوت ارواح - محمد ارشد قادری ۱۸/-
لوائح (متن مع انگریزی ترجمہ) مولانا نور الدین جامی ۳۰/-
جذب و سلوک - شیخ عبد الحق دہلوی ۳/-
الاوراد - اشاعت اولین مخطوطہ قدیم بہاء الدین زکریا ملتانی ۲۵/-
اقبال اور ابن حلاج - ڈاکٹر محمد ریاض ۷/۵۰
ابدالیہ - حضرت یعقوب چرخی ۵/-
طواسین (انگریزی ترجمہ) حسین بن منصور حلاج ۲۵/-
سیر الاولیاء (متن فارسی) میر خورد ۴۵/-
سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی - مفتی اجمیری ۱۸/-
گلشن راز (متن مع انگریزی ترجمہ) محمود شبستری ۶۰/-
کلیات - (انتخاب) رضا علی عابد بیل ۵۲/-
اوراق غم - ابو الحسنات سید محمد احمد قادری ۲۱/-
مقابیس المجالس - ملفوظات خواجہ غلام فرید ۷۵/-
بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (انگریزی) جعفر قاسمی ۹/-
بابا فرید الدین مسعود گنج شکر - جعفر قاسمی ۹/-
مقام گنج شکر - کپتان واحد بخش سیال ۱۸/-
الطاف القدس - شاہ ولی اللہ دہلوی ۹/-
لمعات - صاحبزادہ نظام الدین ۲۴/-
خطبات مدراس (انگریزی ترجمہ) سید سلیمان ندوی ۳۰/-
ناشر
اسلامک بُک فاؤنڈیشن ۲۴۹ این سمن آباد، لاہور
واحد تقسیم کار
المعارف - گنج بخش روڈ - لاہور
Al.Amin